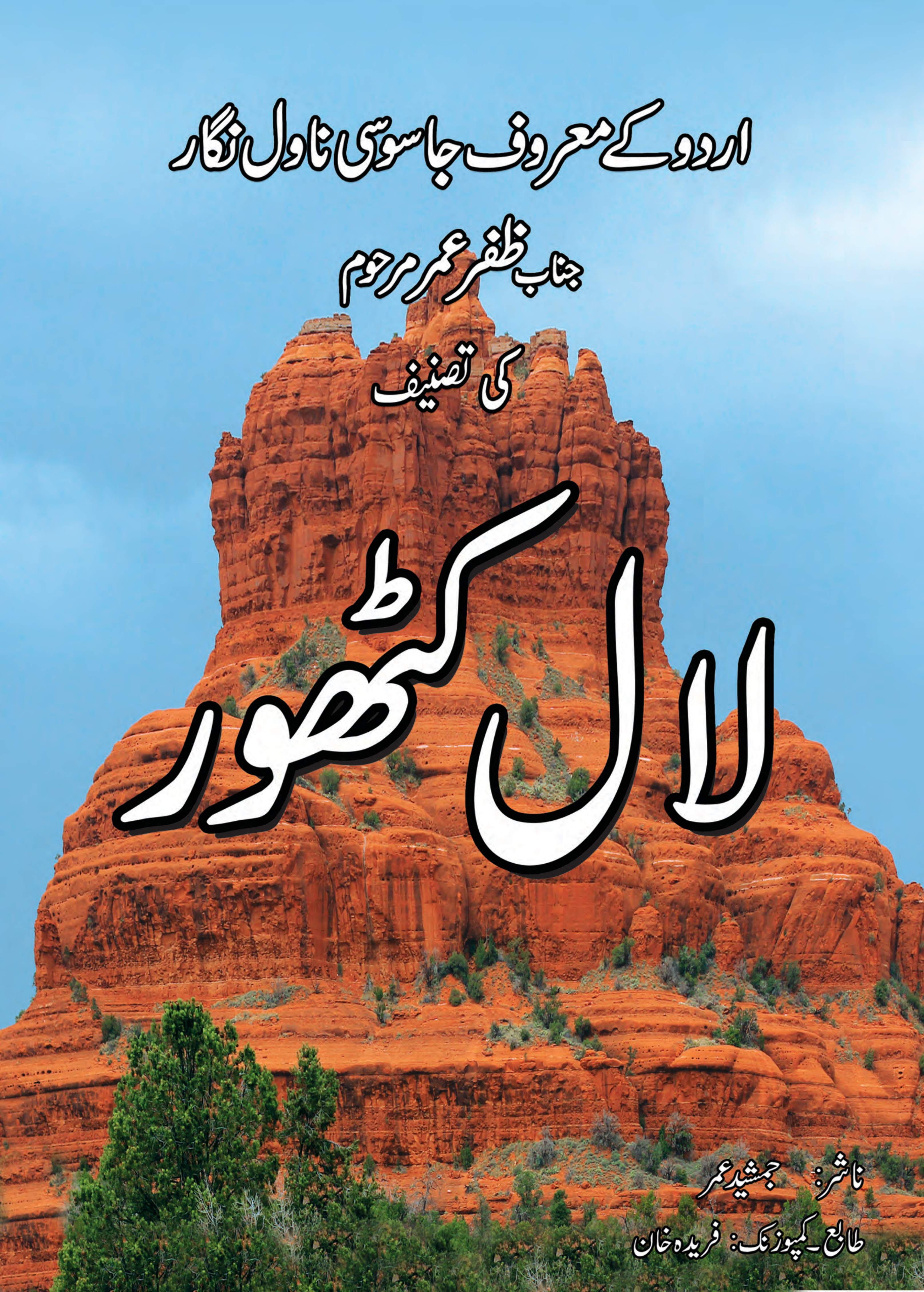


اردو کے معروف جاسوسی ناول نگار

جناب ظفر عمر مرحوم

کی تصنیف

لال کھٹور

ناشر: جمشید عمر

طابع ۔کمپوزنگ: فریدہ خان

فہرست

باب ۱

خدائی فواجدار

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب مہراب جنگ محلّہ بلی باران دہلی میں اپنے دوست مسعود اور لوک بہادر کے ساتھ رہتا تھا۔ مکان دو منزلہ اور مختصر مگر آرام دہ اور زمانہ موجودہ کی تمام ضروریات کے وقت کوئی ملازم یہاں نہ رہتا تھا۔ صحن کے ایک جانب پرانے اصطبل کو ترمیم کر کے موٹر خانہ بنالیا گیا تھا۔ جس میں موٹریں مقفّل رہتی تھیں ۔ موٹر چلانے کے لئے کوئی ملازم نہ تھا۔ عموماً مسعود چلاتا تھا۔

سوائے حکیم صاحب کے جن کے دولت خانے پر مہراب جنگ کبھی کبھی شام کی صحبتوں میں شریک ہوتا' اہل محلّہ کے ساتھ ان لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مہراب جنگ نیپالی شہزادہ ہے جو اپنے ملک کی سیاسی حالت کی وجہ سے جلا وطن کر دیا گیا ہے ۔ مسعود اور لوک بہادر بھی متموّل اور تعلیم یافتہ آدمی تھے جو دہلی تفریح کی غرض سے آئے تھے۔ ان کے ملاقاتیوں میں بہت کم لوگ تھے۔ وقار حسین انسپکٹر خفیہ پولیس یا ڈاکٹر رحمان کبھی کبھی ملنے آتے تھے۔

کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ لوک بہادر جو عموماً خدمت گاروں کا لباس پہنے رہتا تھا۔ زینہ اتر کر نیچے آیا اور دروازہ کھولا ایک اڈھیر عمر کا آدمی جو لباس اور وضع قطع سے مرہٹہ معلوم ہوتا تھا باہر کھڑا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی دریافت کیا۔

''کیا کنور مہراب جنگ اسی مکان میں رہتے ہیں اور اس وقت موجود ہیں؟''

''جی ہاں...... لیکن جب تک پہلے سے وقت مقرر نہ ہو وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے ۔''

''لیکن میں بڑی دور سے ان کا نام سن کر آیا ہوں۔ مجھے فوراً ان سے ملنے کی ضرورت ہے۔ جاؤ اِطّلاع کردو۔''

ملازم پر اس اصرار کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اجنبی کو غور سے دیکھتا رہا۔

''تم بڑے بدتمیز ملازم ہو معلوم ہوتے ہو جا کر اطّلاع کیوں نہیں کرتے؟''

جیب سے ایک پرانا اخبار ''سانج ورتمان'' نکالا اور ایک اشتہار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یہ اشتہار تمھارے ہی آقا نے دیا ہے۔ کیا کنور صاحب ایسے لوگوں کو سراغ رسانی کے معاملات میں مدد نہیں دیتے جو پولیس سے ناامید ہو گئے ہوں یا کسی وجہ سے پولیس رجوع نہ کرنا چاہتے ہوں؟ جس معاملے کی نسبت میں کنور صاحب کی مدد چاہتا ہوں۔ نہایت اہم ہے اُن کو میرے دہلی آنے کی خبر ہوگئی تو سب کام خراب ہو جائے گا۔''

''لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ ملازم نے ہمدردی کے ساتھ دریافت کیا۔

''وہ لوگ بڑے عیّار اور ظالم ہیں......میری طرح تمہیں بھی ان سے سابقہ پڑتا تو میری پریشانی پر تعجب نہ کرتے۔'' آستین اوپر چڑھائی اور بازو پر سیاہ اور نیلگوں نشان دکھا کر کہا۔

''یہ دیکھو۔ پہلے میرا راز معلوم کرنے کے لئے طرح طرح کی ترغیب دی پھر دھمکایا اور جب میں ان کے جال میں نہ پھنسا تو سرخ انگارہ سلاخوں سے مجھے ایذا پہنچائی ۔ اف کیسے ظالم اور سنگ دل آدمی ہیں! میرا بس چلے تو دل کھول کے بدلہ لوں۔''

اجنبی کا چہرہ غصّہ سے سرخ ہوگیا۔

''مجھے آپ کے ساتھ بہت ہمدردی ہے لیکن آپ بتائیں تو سہی کہ یہ کون لوگ ہیں؟''

''بدمعاش ' ظالم ' ڈاکو ' لٹیرے......ان کا سرغنہ مہابیر' شیطان کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔ ایک رحم دل شکاری وہاں نہ آ جاتا تو معلوم نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔ بکرم سنگھ نے مجھے ان ظالموں کے پنجے سے چھڑایا۔ ورنہ میرا خاتمہ ہی ہو گیا تھا۔''

''لیکن یہ انگریزی راج کا زمانہ ہے ہر جگہ پولیس انتظام کرتی ہے۔ ایسا تشدّد آپ کے ساتھ ہوا تھا تو آپ پولیس میں اِطلاّع کیوں نہ کی۔''

تم کسی باتیں کرتے ہو؟ مجھے پولیس کا بڑا تلخ تجربہ ہے اور پھر ایسے نازک معاملے میں'

میرا راز پولیس کو معلوم ہو جاتا تو شاید میرے ساتھ اس سے بھی زیادہ بُرا سلوک کیا جاتا اور میں آج کسی جیل خانے میں پڑا سڑتا ہوتا۔''

''یہ تو کہئے معاملہ کیا ہے؟''

اجنبی نے لاک بہادر کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور کہا۔''تمہیں اس سے کیا غرض' تم ملازم ہو' جاؤ فوراً اپنے مالک کو اِطّلاع کردو۔ چاہے رات بھر مجھے یہاں بیٹھنا پڑے' ملے بغیر نہ جاؤں گا۔''

یہ کہہ کر اجنبی ایک منڈھے پر بیٹھ اور جیب سے سگریٹ نکالا دوسرے ہاتھ سے دیا سَلائیجیب میں ٹٹول رہا تھا کہ ملازم نے فوراً اپنی دیا سلائی جلائی اور اجنبی کا سگریٹ سلگانے کے لئے جھکا ۔ لوک بہادر نے یہ زحمت اجنبی کی خوشامد یا خاطر داری کے خیال سے نہیں اٹھائی تھی بلکہ یہ اطمینان کرنے کو کہ وہ شرابی تو نہیں ہے۔ سگریٹ سلگانے کے لیے دیا سلائی پیش کرتے وقت اس کی ناک اجنبی کے منہ کے اس قدر قریب تھی کہ اسے یقین ہو گیا اس کے منہ سے شراب کی نہیں بلکہ تمباکو کی بُو آتی ہے۔ پھر اجنبی سے دریافت کیا۔

'' آپ کو اس وقت کنور صاحب سے ملاقات کرنے پر ایسا ہی اصرار ہے تو اپنا نام اور پتہ بتائیے۔''

''میرا نام بانکے راؤ گوکھلے ہے۔ بہت ضروری کام جس لڑکی کی مجھے تلاش ہے اس کا فوراً پتہ چلنا چاہیے ورنہ سب کام خراب ہو جائے گا' بد معاش بڑے لاگو ہیں ۔ ان کے سردار کو جو اس شہر میں کہیں رہتا ہے میرے یہاں آنے کی خبر ہو گئی تو معلوم نہیں کیا ہوگا۔ اُف ! شاگرد ایسے ہیں تو سردار کیسا ہوگا جلدی کرو۔''

لوک بہادر زینے پر چڑھ کر اوپر گیا اور چند لمحے بعد واپس آیا' اور اجنبی کو اوپر آنے کا اشارہ کیا ۔ ایک کمرے کا پَٹ کھولا ۔ اور اجنبی اندر داخل ہوا یہ کمرہ بہت بڑا نہ تھا۔ دو کھڑکیاں سڑک کی جانب کُھلی تھیں جن پر نفیس پردے پڑے ہوئے تھے ایک گوشہ میں بڑی سی میز تھی جس کے قریب مہراب جنگ کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا۔

''حضور' بانکے راؤ گوکھلے حاضر ہیں؟'' کہہ کر لوک بہادر باہر گیا اور دروازہ بند کیا۔ مہراب

جنگ اجنبی کی طرف متوجّہ ہوا اور نہایت تپاک سے کہا۔

’’آیئے مسٹر گوکھلے‘ اس کرسی پر بیٹھئے ۔ مجھے خدمت گار کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کسی اہم معاملے میں مجھ سے مشورہ کرنے آئے ہیں۔‘‘

سگریٹ کا ڈبہّ گوکھلے کے سامنے بڑھایا۔خود ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب تک اجنبی نے سگریٹ سلگایا اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر دریافت کیا۔

’’کیا آپ پونہ سے آئے ہیں؟ میں خود وہاں نہیں گیا ۔لیکن سنتا ہوں کہ بڑا خوب صورت شہر ہے۔ کہئے معاملہ کیا ہے؟‘‘

اجنبی نے قدرے پس وپیش کیا۔

’’کیا آپ کنور مہراب جنگ ہیں؟ اور اخبار ’’سانج ورتمان‘‘ میں یہ اشتہار آپ ہی نے دیا ہے؟ اور کیا آپ ایک نہایت اہم اور نازک معاملے میں میری مدد کر سکتے ہیں؟‘‘

’’معاملہ کی تفصیل بتایئے تو کچھ کہہ سکوں۔‘‘

’’جی نہیں‘ معاف کیجئے میں اپنے راز کی تفصیل ہرگز نہ بتاؤں گا۔بکرم سنگھ جس نے میری جان بچائی اس سے تو میں نے کہا ہی نہیں۔آپ کو کس طرح بتا سکتا ہوں؟‘‘

اس بات پر جنگ بہادر نے تعجب یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ اسے اپنے کاروبار میں ایسے آدمیوں اکثر سابقہ پڑا تھا۔ جو پہلی ہی ملاقات میں اپنی راز کی باتیں یکا یک بیان نہیں کر دیتے ۔ تجربے نے اسے یہ بھی بتا یا تھا کہ ایسے معاملات میں راز کے معلوم کرنے پر اِصرار کرنا بےسُود ہوتا ہے۔اور لوگوں کو ضدّی اور مشکوک بنا دیتا ہے۔

قدرے سکوت کیا اور بکس سے دوسرا سگریٹ لے کر پینے لگا۔ اجنبی نے اپنی کرسی آگے بڑھائی کمرے کی طرف دیکھ کر اطمینان کیا کہ کوئی تیسرا شخص تو وہاں نہیں ہے سنجیدگی سے کہنے لگا۔

کنور صاحب‘ واقعہ یہ ہے کہ جس معاملہ کی نسبت میں آپ کی مدد چاہتا ہوں ۔ ایک راز ہے جو میرا اپنا نہیں ہے۔ اس لئے مجھے اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

’’معاملہ کوئی قتل یا جعل سازی کا مقدمہ نہیں ہے بلکہ ایک بڑی دولت سے تعلق رکھتا

ہے۔ بکرم سنگھ میرے ساتھ بڑا سلوک کیا اور میری جان بچائی ' وہ نہ آجاتے تو بدمعاش میرا کام تمام کر دیتے ۔لیکن باوجود اس کے ان سے بھی میں نے اس راز کا انکشاف نہ کیا۔ اگرچہ انھوں نے اس راز کو معلوم کرنے کی بہت کوشش کی۔ پنجابیوں کے گروہ نے خدا انہیں غارت کرے ۔ مجھے بہت کچھ' ایذا پہنچائی ۔گرم سلاخوں سے مجھے داغا ۔مگر ان کو بھی میں نے نہ بتایا۔ آپ سے صرف اس قدر امداد چاہتا ہوں کہ آپ سے جس قدر جلد ہو سکے ایک لڑکی کو جس کا نام ہیرا بائی ہے تلاش کر دیں۔ وقت کم ہے صرف چند روز باقی ہیں۔ اس عرصہ میں لڑکی دستیاب نہ ہوتی تو ایک بڑی دولت یا تو ایسے لوگوں کے قبضہ میں پہنچ جائے گی ۔جنھیں اس کے پانے کا کوئی حق نہیں یا ہمیشہ کے لئے زیرِ زمین دفن رہے گی۔''

مہراب جنگ مسکرایا۔ کرسی پر کمر لگا کر دو چار سگریٹ کا دھواں چھت کی طرف پھینکا۔ پھر ہمدردانہ لہجہ میں دریافت کیا۔

''لیکن یہ بتایئے کہ اس لڑکی ہیرا بائی کے ملنے کی یہاں امّید ہوسکتی ہے؟ صرف نام سے پتہ چلانا آسان نہیں ہے؟''

مجھے معلوم ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے، صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک پارسی انجینئر فریدوں کی بیٹی ہے جو ایک زمانے میں ریاست بھوپال میں ملازم تھا اور عرصہ ہوا مر گیا۔ اس وقت لڑکی کم سِن تھی اور کسی رشتہ دار عورت کے ساتھ رہتی تھی جو شمالی ہندوستان میں ڈاکٹری یا معلّمی کا کام کرتی ہیں۔''

''اس لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

''آپ کوشش کریں گے تو مل ضرور جائے گی۔''

''یہ کوئی لازمی بات نہیں ہے۔''

''میری اِطّلاع تو یہ ہے کہ آپ چاہیں تو سب کچھ ہوسکتا ہے اور اس وقت تمام ملک میں آپ ہی ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ کنور صاحب جلدی کیجئے ۔ وقت کم ہے وہ گروہ بڑا خطرناک ہے۔''

اس وقت بدمعاشوں کا ایک گروہ مہراب جنگ کے ذہن میں بھی تھا۔ اجنبی سے دریافت

کیا۔

’’اس گروہ کا کچھ حال تو بتایئے۔ یہاں آج کل مجرموں کے بہت سے گروہ ہیں۔‘‘

لیکن گوکھلے اپنی کرسی سے کھڑا ہوا۔ چہرے سے خوف اورشبہ کے آثار ظاہر ہوئے اور کہنے لگا۔

’’معاف کیجئے۔‘‘جو کچھ میں نے آپ سے کہا ہے اس کے سوا میں ہرگز کچھ نہ کہوں گا۔‘‘

یہ کہہ کر اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور ایک گڈّی نوٹوں کی نکالنا چاہی۔

مہراب جنگ مسکرایا۔

’’اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا اصول ہے کہ ہم کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ جب ہیرا بائی مل جائے تو آپ سے اس کی تلاش میں جو کچھ صَرف ہو۔ اس کی ادائیگی کے لئے کہا جائے۔‘‘

لیکن میرے لباس اور ہئیت کذائی پر نہ جائے۔ میں آپ کو منہ مانگا نذرانہ پیش کرسکتا ہوں۔‘‘

’’یہ میں جانتا ہوں۔لیکن سرِ دست کچھ نہیں چاہیئے۔‘‘

وہ کرسی سے اٹھا۔ چلنے کے لئے مڑا۔لیکن پھررُکا اوردریافت کیا۔

’’کیا آپ خدائی فوجداروں کو جانتے ہیں۔‘‘

مہراب جنگ نے قہقہہ لگایا اوردریافت کیا۔

’’کون خدائی فوجدار؟‘‘

میں نے اپنے ملک میں سنا تھا اور کئی بار مرہٹی اخباروں میں چَھپا بھی تھا کہ ان اطراف میں چند خدا کے بندے ہیں جو ایسے مجرموں کو پتہ لگا کر خود سزا بھی دیتے ہیں جو قانون کی گرفت میں تو نہیں آتے ۔مگر بڑے بڑے ظلم اور جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں یہ لوگ کہاں ملیں گے۔

’’آپ کو ان کی تلاش کیوں ہے؟‘‘

''میں ان سے ملنا چاہتا ہوں ۔جن بدمعاشوں نے مجھے ایذا پہنچائی ہے وہ پولیس کے بس کے نہیں معلوم ہوتے ہیں ۔ شاید خدائی فوجدار میرا بدلہ لے سکیں اور ملک کو ان کے ظلم وستم سے نجات دلائیں۔''

''جی نہیں ۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ خدائی فوجدار ہیں کہاں ؟ اتنا البتہّ سنا تھا کہ پولیس ان سے خوش نہ تھی اور کئی معاملوں میں انھیں پھانسنا چاہا۔ اس لئے وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔''

''افسوس ! میں اس سے ملتا تو کہتا کہ جن بدمعاشوں نے مجھے ستایا ہے وہ سوائے ان کے کسی سے خوف نہیں کھاتے۔''

چلتے وقت مہراب جنگ نے اپنا سگریٹ کیس گوکھلے کی طرف بڑھایا اور کہا۔

''لیکن آپ ایک نہایت ضروری بات بتانا بھول گئے ہیں۔''

''وہ کیا؟''

''اپنا پتہ' آپ دہلی میں کہاں مقیم ہیں؟''

''میں آج ہی یہاں آیا ہوں اور کشمیری ہوٹل میں اسباب رکھ کر سیدھا آپ کے پاس چلا آیا۔'' مہراب جنگ رخصت کرنے کے لیے زینے تک گیا۔ لوک بہادر نے صدر دروازے کا پَٹ کھول کر گوکھلے کو تمیز دار نوکروں کی طرح سلام کیا۔ گوکھلے نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر لوک بہادر کی طرف بڑھایا ۔ اس نے ''کی کیا ضرورت تھی'' کہہ کر روپیہ مٹّھی میں دبایا اور اب کی بار بہت فرشی سلام کیا۔ پَٹ بند کر کے اوپر کے کمرے میں گیا اور مہراب جنگ اور مسعود کو بیٹھا دیکھ کر زور سے قہقہہ لگایا۔

''مرہٹہ بڑا فیاض آدمی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو روپیہ مجھے چلتے وقت انعام دیا ہے۔''

مسعود نے جو پردے کے پیچھے چُھپا ہوا تھا سگریٹ اُٹھایا اور سلگا کر کہنے لگا۔

''میں پردے کی آڑ سے کا چہرہ اچھی طرح سے نہ دیکھ سکا۔ مگر آواز سے اندازہ کرتا ہوں کہ بے چارہ بہت خوف زدہ اور پریشان ہے۔ کنور صاحب آپ کی کیا رائے ہے؟''

''یہ صحیح ہے لیکن وہ اس قدر شکّی مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے کہ پوری طرح حال نہیں بتایا۔ مسعود تم اپنا حال کہو۔ جس بات کی تلاش میں گئے تھے اس میں کامیابی ہوئی ؟''

مسعود نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

لوک بہادر، جواَب تک روپیہ میز پر چٹکی سے گھما کر مسکرا رہا تھا، کہنے لگا۔

''مجھے بھی مسعود کے ساتھ اتفاق ہے۔ گوکھلے بہت وحشت زدہ ہے یہاں تک کہ بھرا ہوا پستول ہر وقت جیب میں رکھتا ہے۔ مہراب جنگ تم نے بھی دیکھا ہوگا؟''

''ہاں پستول کے دستہ کا ایک حصّہ جیب میں مجھے بھی نظر آیا۔'' پھر آہستہ آہستہ کہا۔''

''پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کونسا گروہ بدمعاشوں کا ہے۔ جس سے گوکھلے اس قدر خوف زدہ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہیرا بائی کون ہے۔ اور کہاں مل سکتی ہے؟ تیسرا معمّہ یہ ہے کہ بدمعاشوں نے گوکھلے کے ساتھ کیوں بدسلوکی کی اور اسے گرم سلاخوں سے کیوں داغا؟''

مسعود نے سگریٹ کے کش لے کر دھواں چھت کی طرف پھینکا اور سنجیدگی سے کہا۔

''ان سوالات کا حل میں جانتا ہوں۔ اسی کے ساتھ ایک سوال میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ ہیرا بائی نے آج بلگرامی کے زنانہ مدرسے میں تصویر کشی اور موسیقی سکھانے کی نوکری قبول کی ہے۔''

مرزا بلگرامی کا مدرسہ اور تصویر کشی اور موسیقی ! مسلمان لڑکیوں کا مدرسہ اور یہ بدعت' مرزا جو ایسا قدامت پسند ہے اور موجودہ زمانے کی ہر بات کے خلاف تحریر اور تقریر سے شب و روز جہاد کرتا ہے۔ایسا آزاد خیال کب سے ہوگیا؟ سخت تعجب ہے!''

''یہ قلب ماہیت ابھی حال میں ہوئی ہے۔ تین چار دن ہوئے اس نے اپنے اخبار میں لڑکیوں کو کشیدہ کاری کی عمدہ تعلیم کی ضرورت پر لمبا سا مضمون لکھا تھا۔ جس میں کشیدہ کاری کے لئے پھول پتہ بنانا اور مناظر قدرت کی تصویر کھینچنا ضروری ثابت کیا تھا۔اس کے دوسرے دن وہ اشتہار شائع ہوا۔ جس کی غایت کی تلاش کے لئے تم نے مجھے مامور کیا تھا۔ اس میں ایک ایسی معلّمہ کی ضرورت بتائی تھی جو نقشہ کشی اور موسیقی کی تعلیم دے سکتی ہو ۔ تمھیں یاد ہو گا اس اشتہار میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ پارسن کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ سب سوانگ اس لیے کیا گیا کہ ہیرا بائی اس کے قبضہ میں آجائے ۔ اشتہار کو دیکھ کر ہم سب کی یہ رائے ہوئی تھی۔ کہ وہ اشتہار مرزا کا دیا ہوا ہے اور وہ کسی نئے شعبدے یا جرم کی تیاری کر رہا ہے۔ اشتہار کے

جواب میں بہت سی دوخواستیں آئیں ۔صرف ہیرا بائی کی درخواست کا جواب دیا گیا۔صرف اسی کو معاملات طے کرنے کے لئے بلایا گیا۔آج دوپہر کو ہیرا بائی مرزا کے پاس آئی اور تصویر کشی اور موسیقی سِکھانے پرنوکر رکھ لی گئی۔سہ پہر کو مرزا اسے ساتھ لے کر کشمیری دروازے گیا۔اور انگریزی دکانوں سے تصویر کشی کا سامان اور کئی وضع کے باجے خرید لایا۔اس نے دیویکو کے قہوہ خانے میں سہ پہر کو اسے چائے بھی پلائی ۔آج شب کو ہیرا بائی دریا باد میں کوٹھی راحت منزل میں رستم جی کی مہمان رہے گی۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔پھرلوک بہادر نے دریافت کیا۔

’’اورتم خودکیاسوال حل طلب پیش کرتے ہو؟‘‘

جنگ بہادر نے سنجیدگی سے کہا۔

’’اس کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔میں خیال کرتا ہوں مسعود کا سوال ہے کہ گوکھلے کب تک زندہ رہے گا؟‘‘

’’بیشک تم نے صحیح سمجھا اب تم مرزا بلگرامی کی ذہنیت اور اس کے جرائم کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہو۔گوکھلے کی خیر نظرنہیں آتی۔‘‘

☆☆☆

باب ۲

ہیرا بائی

چھاؤنی میرٹھ کے مغربی گوشے پر صدر کی آبادی سے بہت دور ایک چھوٹی سے دو منزلہ کوٹھی میں دو پارسی عورتیں رہتی تھیں۔ ایک معمرّ مگر قوی کی مضبوط اور تن درست و توانا' دوسری نوجوان جس کی عمر بیس سال سے زائد نہ تھی۔ ہیرا بائی کے باپ فریدوں جی نے یکا یک انتقال کیا۔ ماں کا سایہ سر سے بچپنے ہی میں اٹھ چکا تھا۔ باپ کی وصیت کے مطابق پھوپھی نے ہیرابائی کو پُونا اور بمبئ کے بہترین مدارس میں تعلیم دلوائی ۔ ہیرا بائی کو موسیقی اور مصوّری میں خاص دستگاہ تھی۔ تعلیم سے فارغ ہر کر پھوپھی کے پاس رہنے لگی۔ اس کی پھوپھی شیریں بائی نے لڑکی کو بڑی محبت سے پالا اور اس کی تعلیم پر نہ صرف اس کے باپ کا اندوختہ خرچ کیا بلکہ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصّہ بھی صَرف کر دیا۔ ہیرا بائی کو اپنی متوفّی ماں کی صورت تک یاد نہ تھی۔ پھوپھی ہی کو ماں سمجھا اور مائی کہہ کر پکارتی تھی۔ شیریں بائی نے اوّل مدرسے میں معلمّی کر پھر اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نسواں ہو گئی اور اس عہدے سے پنشن لے کر میرٹھ رہنے لگی ۔ پنشن کی آمدنی دونوں عورتوں کے لیے خاموشی سے زندگی بسر کرنے کو کافی تھی۔ لیکن اتنی گنجائش نہ تھی کہ کوئی سواری رکھی جاتی یا ہیرا بائی کو کسی یونیورسٹی میں بھیج کر اعلیٰ تعلیم دلوائی جاتی۔ ہیرا بائی اپنی تعلیم اور تربیّت کے لحاظ سے نہایت غیّور اور خود دار لڑکی تھی ۔ جوان ہوئی تو اسے اپنی پھوپھی کے ایثار اور محبت کا پورا احساس ہوا اور چاہتی تھی کہ کسی طرح اپنے بار سے پھوپھی کو سبکدوش کرے۔ کئی مرتبہ ملازمت کی تلاش میں بمبئ اور حیدر آباد جانے کا تذکرہ پھوپھی سے کیا۔ مگر شیریں بائی نے اپنے علیحدہ رکھنا پسند نہ کیا ۔ لڑکی خوش مزاج' ہنس مکھ

اور خوبصورت تھی۔ دن باغیچہ میں پھولوں کی نگہداشت یا تصویر کشی میں صَرف کرتی۔ شام کو پیانو اور سِتار بجا شیریں بائی کا دل بہلاتی اور اکثر کتابیں پڑھ کر سناتی ۔ ایک دن کئی گھنٹے باغیچے میں کام کر کے گھر میں واپس آئی تو میز پر ڈاک میں اخبار''انیس ہند'' دہلی کا پیکٹ ملا۔ کھول کر دیکھا تو سوائے ہندو مسلمانوں کے مناقشہ اورلڑائی کے کچھ نہ پایا۔ اشتہار کے صفحہ پر نظرڈالی تو ذیل کے مضمون پرآ کررک گئی۔

ضرورت

مدرسۂ نسواں دہلی کے لیے مصوّری' نقشہ کشی اور موسیقی کی معلّمہ درکار ہے' کسی مستند تعلیم گاہ کی سند یافتہ لیڈی کو معقول معاوضہ دیا جائے گا۔ پارسن کو ترجیح دی جائے گی۔ شرائط ملازمت زبانی طے ہوسکتے ہیں۔دہلی سے باہر رہنے والی کوسفرخرچ دیا جائے گا۔

المشتہر

مرزا بلگرامی' بلگرامی بلڈنگ' چاندنی چوک دہلی

ہیرا بائی کو ایسی ملازمت کی تلاش تھی ۔ دہلی کا میرٹھ سے تھوڑی دیر کا راستہ تھا شیریں بائی کو بمبئ اور حیدرآباد جانے پر اعتراض تھا لیکن دہلی جانے پر کیا ہوسکتا ہے۔ اس نے جوش میں آ کرشیریں کوآواز دی۔

''مائی! یہ دیکھو کیسی اچھی خبر ہے۔''

شیریں جوایک طرف کوچ پربیٹھی ہوئی اونی گلوبند بنارہی تھی ایک دم چونک پڑی۔

''خیر تو ہے کیا کوئی خزانہ مل گیا؟''

خزانے سے بھی زیادہ' دہلی کے مدرسے میں ایک معلّمہ کی ضرورت ہے موسیقی اور مصوّری سکھانے کے لیے.....مستند تعلیم گاہ کی سنّد یافتہ معلّمہ درکار ہے' پُونا کا مدرسہ جہاں سے میں نے تعلیم پائی ہے ہندوستان میں بہترین درس گاہ ہے۔ دہلی کچھ دور نہیں ہے ۔ میں ہر ہفتے میرٹھ آسکتی ہوں۔''

''لیکن بیٹا ! میرا دل کیسے لگے گا۔ ہفتہ' مہینوں اور سالوں کے برابر ہو جائے گا۔تمہاری

وجہ سے بڑی دل بستگی ہے۔‘‘

’’تو مائی آپ بھی دہلی چلی آیئے گا۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔ میرٹھ میں رہتے رہتے آپ بھی گھبرا گئی ہیں۔ یہاں دلچسپی کا بھی کوئی سامان نہیں۔ دہلی میں کثرت سے تفریح گاہیں‘ تھیٹر اور سینما ہیں‘ بڑا لطف رہے گا۔ اس مکان کو کرایہ پر دے دیں گے ۔ چھوٹا سا مکان نئی دہلی میں شاید مل جائے گا۔

’’بیٹا تم بچّہ ہو ۔ زمانے کے حال سے واقف نہیں ہو۔ دہلی جیسے شہر میں طرح طرح کے اندیشے ہیں۔‘‘

’’آپ میرے ساتھ رہیں گی تو اندیشہ کس بات کا ہے۔ یہاں پڑے پڑے جو کچھ میں نے سِیکھا ہے اسے بھی بھول جاؤں گی۔ آخر آپ نے بھی تو اس عمر میں ملازمت اختیار کی تھی مجھے کیوں منع کرتی ہیں۔‘‘

’’کام کرنا بڑی اچھی بات ہے۔ اسے میں کب بُرا کہتی ہوں۔ لیکن دہلی دوسرے بڑے شہروں کی طرح مجھے پسند نہیں۔ آئے دن جھگڑے فساد‘ آج گائے کی قربانی پر لڑائی ہے تو کل پیپل کی ڈالیوں‘ پر دنیا بھر کے جرائم پیشہ وہاں جمع ہیں۔ پولیس اور فوج کے باوجود نت نئے جرائم ہوتے ہیں طرح طرح کی آفتیں آتی رہتی ہیں۔ سانپوں کی اتنی کثرت ہے کہ آئے دن کُھلے میدانوں اور بازاروں میں لوگ مرے پائے جاتے ہیں‘‘

’’لیکن مائی جرائم پیشہ لوگوں کی سرکُوبی کے لیے پولیس اور فوج کافی نہیں ہے تو خدائی فوجدار تو موجود ہیں‘ جو خلق اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور ایسے بدمعاشوں کو جنھیں پولیس بھی اس کے کیفر کردار کو نہیں پہنچا سکتی خود ہی معقول سزا بھی دے دیتے ہیں پھر ڈر کس بات کا ہے؟‘‘

’’خدائی فوجداروں کا ذکر نہ کرو۔ وہ خود مجرموں سے بدتر ہیں۔ ان کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ غضب خدا کا گورنمنٹ بھی ان لوگوں کو سزا نہیں دیتی ۔ سنتی ہوں ایک قتل کے معاملے میں ان لوگوں پر جرم ثابت تھا مگر معافی مل گئی۔‘‘

’’مائی آپ انصاف سے کام نہیں لیتیں۔ انھوں نے کسی بے گناہ کو کب مارا یا ستایا ہے۔

جسے آپ قتل کہتی ہیں وہ تو بڑے ثواب کا کام تھا۔ ڈاکو اور دغا بازوں کے سرگروہ کو جو مدّت سے دہلی اور اس کے نواح میں کُھلے بندوں قتل و غارت کا مرتکب ہوتا تھا۔ انھیں لوگوں نے پکڑا اور رات کے وقت چاندنی چوک میں ایک درخت سے لٹکا پھانسی بھی دے دی۔ عوام پر انھوں نے کتنا بڑا احسان کیا۔ مجھے یہ لوگ مل جائیں تو بڑی شاباشی دوں۔"

"لیکن سانپ کے کاٹے کا انسداد ان لوگوں سے بھی نہ ہو سکا۔سانپ کا خیال کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔"

شیریں بائی نے سانپوں کے کاٹے کا ذکر اس لئے کیا تھا کہ حال میں شہر دہلی میں کئی موتیں ایسی ہوئیں تھی جن کی وجہ سے خلقت میں بے چینی پھیل گئی تھی۔ یہ اموات غریبوں کے محلّے میں نہیں ہوئی تھیں جو کچّے مکانوں میں آبادی کے کنارے رہتے ہیں بلکہ ان مقامات پر جہاں ہر وقت آمدورفت رہتی ہے۔ دہلی بینک کا ایک بابو سرِ شام چاندنی چوک سے لَوٹا اور دریبہ کلاں میں جوں ہی اپنے مکان میں جانے کے لیے دروازہ کھولا۔ سانپ نے کاٹ لیا۔ اور وہ مردہ پایا گیا۔ دوسرا آدمی ملکہ کے باغ میں ٹینس کھیل رہا تھا کہ سانپ نے کاٹ لیا۔باغ میں اس وقت صدہا آدمی تھے لیکن سانپ کا کہیں پتہ نہ تھا۔تعجب کی بات تھی کہ سانپ کے کاٹے کا نشان ان لوگوں کی ٹانگوں پر نہ تھا بلکہ گردن اور کنپٹی پر تھا۔

ان واقعات سے دہلی میں عجیب عجیب افواہیں پھیل گئی تھیں۔ مائیں بچّوں کو باہر جانے سے منع کرتی تھیں۔محتاط اور ڈرپوک آدمی سرِ شام سے دروازہ بند کر لیتے تھے۔ دہلی آج سے نہیں ہمیشہ سے افواہوں کا آماجگاہ رہا ہے۔کسی کی زبان سے کئی انوکھی بات نکلی اور تیزی کے ساتھ تمام شہر میں پھیل گئی۔ دہلی وہی شہر تو ہے جہاں کے چانڈو خانے میں کسی نے نادر شاہ کے مارے جانے کا ذکر کیا کہ تمام شہر میں چرچا ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں پر حملے ہوئے اور اس کی پاداش میں نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ دہلی کے باشندوں پر جو قہر اور مصیبت نازل ہوئی اسے کون نہیں جانتا۔ خاندان کے خاندان چند گھنٹوں میں تلوار کے گھاٹ چڑھ گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

دہلی کے اخبار بھی اس معاملے میں اس کے باشندوں سے کم نہیں۔کوئی موت کسی سبب

سے ہوئے اسے سانپ کے کاٹے پر محمول کرنے لگے۔ جو اخبار کھو لئے ایک دو کالم اس کے لیے وقف تھا۔ کوئی سانپوں کے اقسام اور عادات پر مضمون لکھتا کوئی اس کے کاٹے کی دوا اور جھارنے پھونکنے کی ضرورت کو سمجھا تا۔

دہلی کا ایک مولوی کسی مرض میں مرا ایک مہاسبھائی اخبار نے اسے ہندو دھرم کا کرشمہ سمجھا اور ناگ دیوتا کی تعریف میں صفحے کے صفحے لکھ ڈالے۔

شیریں بائی نے ان مضامین کو بڑے غور سے پڑھا تھا اور یقین کامل تھا کہ دہلی میں ہر شخص کی جان خطرے میں ہے۔ لیکن نوجوان اور تعلیم یافتہ ہیرا بائی کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی اس نے دہلی کا مصمّم ارادہ کرلیا۔

.................☆☆☆.................

باب ۳

مرزا بلگرامی

مثل مشہور ہے کہ دنیا بیوقوفوں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ دنیا میں دغا بازوں کی کمی نہیں جو دوسروں کی سادہ لوحی اور اوہام پرستی سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان ہی ایک ملک ہے جہاں ہمیشہ سے دونوں قسم کے آدمیوں کی بہتات رہی ہے۔ یوں تو دوسرے ملکوں میں بھی ذہین اور ہوشیار آدمیوں نے وقتاً فوقتاً اپنی ذہانت اور خداداد قابلیت کا غلط استعمال کر کے بے اندازہ قوت اور اقتدار اورعوام پر قابو پانے میں کامیابی حاصل کی ہے ایسے لوگوں کے جانے دوجنھوں نے دغا بازی اورقتل و غارت سے بڑے بڑے ملکوں پر قبضہ کرلیا ہے یا بے اندازہ دولت جمع کر لی ہے۔لیکن زیادہ خطرناک ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مذہبی پیشوا اور مصلح بن کر خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔حَسن بن سباح کا نام کس نے نہیں سنا۔ اس نے تمام ایشیائی ملکوں پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ بڑے بڑے حکمراں اور علماء دین' شیخ الجبل کے فدائیوں کے چھری کا خیال کر کےلرزتے تھے۔اس دغا باز شیخ نے سادہ لوح آدمیوں کواپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لیے دنیامیں ایک بہشت بھی بنارکھی تھی۔

آپ کہیں گے کہ یہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔اب علمی روشنی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اوہام باطل کی تاریکی مفقود ہوگئی ہے۔ آزادی ضمیر کا دَور دورہ ہے قانونی مساوات اور عمدہ نظم ونسق کاراج ہے۔حَسن بن سباح جیسے شخصوں کاوجودناممکنات سے ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن ہندوستا ن کی خو بو ابھی تک بدلی نہیں اور یہاں بہ نسبت اور ملکوں کے دغابازوں اورجرائم پیشہ لوگوں کے لئے بڑا امیدان ہے۔

آیئے ہم آپ کا تعارف دہلی کے ایک ایسے ذات شریف سے کراتے ہیں جو باوجود قانون اور حکومت کی سخت گیری کے پایۂ تخت دہلی میں بیٹھا ہوا اپنی دغا بازی اور عیّاری کے زور سے کس طرح خلقت کو مسحور کیئے ہوئے ہے۔

عین چاندنی چوک میں دریبہ کے متّصل ایک عالی شان عمارت میں بلگرامی بلڈنگ کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا بلگرامی کا دفتر ہے۔ نیچے کے حصّے میں ایک پریس اور کتب فروشی کی دکان ہے دوسری منزل پر خود مرزا صاحب دن بھر کام کرتے ہیں۔

دوپہر کے وقت ایک تانگہ بلگرامی بلڈنگ کے مقابل رُکا۔ ایک نوجوان پراسن اُتری ۔ تانگہ والے کو دستی بیگ سے روپیہ نکال کر کرایہ دیا ۔ عمارت کے نام کا تختہ پڑھا۔ زینہ کے پاس ایک ملازم سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب ہیں یا نہیں؟ پھر اپنا کارڈ ملازم کو دیا جو فوراً اوپر لے گیا۔ اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک جوان عمر کے آدمی نے جو سیاہ لمبا کوٹ اور ترکی ٹوپی پہنے تھا۔ کسی قدر گھبراہٹ، مگر ادب سے سلام کیا اور دریافت کیا۔

''معاف کیجیئے ۔ کیا آپ مسز شیشہ والا ہیں اور بمبئ سے آئی ہیں۔ میرے مالک نے مجھے موٹر لے کر آپ کو لانے کے لئے اسٹیشن بھیجا تھا ۔ مجھے راستے میں ذرا دیر ہو گئی۔ اسٹیشن پہنچا تو گاڑی آ چکی تھی اور مسافر باہر جا رہے تھے ۔ پلیٹ فارم پر آپ کو نہ پایا تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ ایک تانگے پر سوار ہو کر چلی گئیں۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میرے آقا مجھ پر خفا ہوں گے۔''

ہیرا بائی نے شوفر کی گھبراہٹ اور پریشانی کو ہمدردی کی نظر سے دیکھا اور کہا۔

''تمہیں دھوکا ہوا ۔ اس وقت میں اسٹیشن سے ضرور آئی ہوں لیکن میرا نام ہیرا بائی ہے۔''

''تو شاید مجھے ٹھیک نام یاد نہیں رہا۔ آپ بمبئ سے آئی ہیں نا؟''

''نہیں، میرٹھ صدر میں رہتی ہوں اور اس وقت وہیں سے آئی ہوں۔''

''ہاں جی معاف کیجیئے میری گستاخی، جن بائی صاحبہ کو لانے کا مجھے حکم ملا تھا ۔ وہ کوئی اور ہیں پھر اسٹیشن جا کر تلاش کرتا ہوں ۔ شاید ویٹنگ روم میں ہوں آج بڑی خفگی ہو گی۔''

اور وہ سلام کر کے دوڑتا ہوا موٹر کی طرف چلا گیا۔

عین اسی وقت ملازم اوپر سے آیا اور ہیرا بئی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دوسری منزل کے ایک کمرے میں ہیرا بائی کو بٹھایا۔ میز پر چند باتصاویر اخبار رکھے تھے۔

’’ آپ ذرا دیر انتظار کیجئے اور اخباروں سے دل بہلایئے۔ مرزا صاحب کسی ضروری کام میں مصروف ہیں۔ چند منٹ میں آپ سے ملیں گے۔‘‘

وہ دروازہ بند کر کے باہر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی جو شکل شبہات سے منشی معلوم ہوتا تھا۔ اندر آیا اور ہیرا بائی کو آنے کا اشارہ کیا۔

منشی نے ڈرتے ڈرتے ایک بڑے کمرے کا دروازہ کھولا ۔ ہیرا بائی اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کمرے میں دیواروں پر بجائے تصویروں کے عربی زبان میں بڑے بڑے طغرے آویزاں تھے۔ ایک طرف دو الماریوں میں کتابیں تھیں۔ بیچ میں تخت پر ایک معمر آدمی جس کے چاروں طرف اخبار اور رسالے پھیلے ہوئے تھے ۔ بڑی سی عینک لگائے کچھ لکھ رہا تھا۔ تخت کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی جس کے قریب دو کرسیاں رکھی تھیں۔ آہٹ پا کر مرزا صاحب نے دروازے کی طرف نظر اُٹھائی ۔ عینک اُتار کر ہیرا بائی کو غور سے دیکھا۔ ہیرا بائی کے سلام کا جواب دیا اور کرسی کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ہیرا بائی بیٹھ گئی اور اپنا ہینڈ بیگ میز پر رکھ دیا۔ مرزا صاحب نے دریافت کیا۔

’’ آپ کا نام ہیرا بائی ہے اور آپ میرٹھ سے آئی ہیں؟‘‘

’’ جی ہاں؟‘‘

’’ لیکن آپ ابھی نو عمر ہیں اور بچّوں کو موسیقی اور تصویری کشی سکھانے کا کام بڑے پِتّہ ماری کا ہے۔‘‘

’’ اسے میں جانتی ہوں ۔ پُونا کے اسکول میں ایک اُستانی کی بیماری کے زمانے میں کئی مہینے تک کام کر چکی ہوں اور لڑکیوں کے مزاج سے واقف ہوں۔‘‘

’’ آپ نے عرضی کے ساتھ اپنی مصوّری کے جو نمونے بھیجے ہیں وہ مہایت عمد ہ ہیں اور میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نو عمری میں آپ نے اس قدر مہارت پیدا کی ہے ۔ امید ہے

کہ موسیقی میں بھی آپ کا کافی استعداد ہو گی۔ میں خود اس عِلم سے نا واقف ہوں، کبھی کبھی قوالی اور نعتیہ غزلیں البتّہ سن لیتا ہوں اور میری رائے میں ایک سچّے مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب لڑکیوں کو بھی اس زمانے کے ہُنر سکھانے کی ضرورت ہے جو مدرسہ میں نے کھول رکھا ہے اس میں جب تک نئ تعلیم کا سب سامان نہ ہو لوگ لڑکیوں کو بھیجنا پسند نہیں کرتے ۔قومی خدمت کرنا ہے تو والدین کی یہ جدّت بھی گوارا کرنا پڑے گی او رمیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے اسکول میں نئ تعلیم کا سب سامان مہیّا کر دوں۔ سر دست میں دوسو روپیہ ماہوار سے زیادہ تنخواہ نہیں دے سکتا ۔لیکن آپ نے کام اچھا کیا اور اسکول میں لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ کی تنخواہ بڑھا دی جائے گی۔ آپ کو یہ تنخواہ منظور ہے؟''

ہیرابائی کوایسے معقول معاوضے کاخیال بھی نہ تھاوہ فوراًبولی۔

''مجھے منظور ہے۔لیکن کام کب سے شروع کیا جائے گا؟''

''فوراً آج ہی سے۔''

''لیکن یہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اپنی پھوپھی سے مشورہ کرنا اور یہاں قیام کا بندوبست کرنا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے یہ ممکن نہیں کئ ایک دوخواستیں اور بھی آئی ہیں اور فوراً فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔اگرآپ کومنظور ہےتو آج ہی سے کام شروع کیجئے۔''

''لیکن میری پھوپھی بہت پریشان ہوں گی۔ کیا دو دن کی مہلت نہیں مل سکتی کہ میں انھیں یہاں لےآؤں؟''

بہت افسوس ہے دیر کی مطلق گنجائش نہیں ۔ آپ تار بھیج کر اپنی پھوپھی کو یہاں کیوں نہیں بُلا لیتیں۔ رہا آپ کے ٹھہرنے کا عارضی انتظام تو دہلی میں متعدّد ہوٹل ہیں اگر آپ وہاں تنہا ٹھہرنا پسند کریں تو میرے کئ پارسی دوست دہلی میں موجود ہیں بہت معزّز آدمی ہیں۔ بہ آسانی انتظام ہوسکتا ہے۔''

ہیرا بائی کو ایسی عمدہ ملازمت کا کھونا گوارانہ تھاوہ راضی ہوگئی۔ مرزا نے تار کا فارم آگے

بڑھایا۔ ہیرا بائی نے ذیل کا پیام تحریر کر دیا۔

شیریں بائی۔صدر میرٹھ۔

''ملازمت مل گئی ۔ میں آج واپس نہیں آسکتی ۔ رات کو اسٹیشن پر ویٹنگ روم میں قیام کروں گی ۔ صبح کی گاڑی سے آپ دہلی آجایئے ۔گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' ہیرا بائی

مرزا صاحب اپنے تخت سے اُٹھے ۔ برابر کا کمرہ کھولا۔ ایک گوشے میں پیانو اور ہارمونیم رکھا تھا۔ چند تصویریں دیوار پر آویزاں تھیں اور ایک طرف آئینے کی میز تھی۔ سب سامان نئی وضع کا۔ ہیرا بائی کو تعجب ہوا کہ مرزا جی ہیں تو پرانے فیشن کے مذہبی آدمی' لیکن سامان بڑے ٹھاٹھ کا رکھتے ہیں۔

ہیرا بائی آپ تھوڑی دیر اس کمرے میں آرام کیجئے' پیانو اور ہارمونیم سے دل بہلایئے۔ میں اخبار کے لیے ایک ضروری مضمون لکھ رہا تھا۔ وہ ختم کر لوں تو آپ کو کشمیری دروازے ضروری سامانِ تصویر کشی وغیرہ خریدنے لے لیے لے چلوں گا۔''

دروازہ بند کر کے مرزا صاحب اپنے تخت پر واپس گئے ۔ہیرا بائی کا تار اُٹھا کر پڑھا اور پھاڑ کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ایک فارم لے کر ذیل کا پیام تحریر کیا۔

''ملازمت مل گئی ۔ مبارک ہو۔ آپ پریشان نہ ہوں ۔ دو تین دن بعد واپس آ سکوں گی۔''

پھر ٹیلی فون پر مرزا صاحب نے کسی سے باتیں کیں اور مضمون لکھنے میں مشغول ہو گئے۔

☆☆☆

باب ۴

رستم جی

دروازہ کُھلا اور بغیر اِطّلاع کئے مرزا بلگرامی کے کمرے میں ایک شخص داخل ہوا جو سر سے پَیر تک خوش پوشاکی اور تن درستی کا بہترین نمونہ تھا۔ اوسط قد‘ سرخ و سفید رنگ‘ گول چہرہ‘ بڑی بڑی لمبی سیاہ آنکھیں‘ لمبی مونچھیں جو قیصرِ جرمنی کی وضع پر اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ کسی بڑی دکان کے سِلے ہوئے تازہ ترین نمونے کے انگریزی کپڑے پہنے ہوئے‘ ہاتھوں پر سفید دستانے چڑھے ہوئے اور ٹوپی ہاتھ میں لئے مرزا کی طرف بڑھا اور بڑے تپاک سے کہا۔

’’مزاج شریف‘ مرزا صاحب! آپ کی کامیابی پر مبارک باد دینے آیا ہوں۔‘‘

مرزا صاحب نے قلم ہاتھ سے رکھا کُرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

’’خوب ہوا آپ آ گئے۔ گھوڑ دوڑ کے متعلق کیا خبر ہے؟‘‘

رستم جی نے آہستہ آہستہ دستانے اتار کر میز پر ٹوپی کے قریب رکھ دیئے اور کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا۔

’’مرزا صاحب اپنی کامیابی کے زعم میں کو حق ہے کہ میرے ساتھ مزاق کریں۔‘‘

’’گھوڑ دوڑ کا ذکر فضول ہے۔ وہاں اب رکھا ہی کیا ہے۔ دس بیس ہزار روپے کبھی کبھی مل جایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے اصطبل کا نیا منیجر آیا ہے کسی کو گھوڑوں کے پاس نہیں جانے دیتا اور میری پرانی ترکیب چلنے نہیں پاتی۔‘‘

’’اس کی چنداں پروا نہ کرو۔ ہیرا بائی مل گئی ہے۔ چند روز میں نہ تمہیں گھوڑ دوڑ اور تاش بازی کی کامیابی کی ضرورت ہو گی نہ مجھے قومی اور مذہبی کتابیں اور مضامین لکھنے کی۔‘‘

''اور تبلیغ واشاعت' مذہب کے گورکھ دھندے کا کیا حال ہے؟''

''فی الحال اس کی بھی کساد بازاری ہے۔ خدا سمجھے اخبار انیس کے مولوی نما کرسٹان صفت ایڈیٹر کو اس نے ایسا بھانڈا پھوڑا ہے کہ اب وہ چشمہ بھی خشک ہوتا جاتا ہے۔علاوہ اس کے ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کے اب ایسے پیاسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔ اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب آتی جاتی ہیں باوجود کوشش کے نہ کہیں بلوے ہوتے ہیں نہ مقدمہ بازی' پھر میرے کاغذی گھوڑوں کی کامیابی کی کیا امید ہوسکتی ہے۔''

''لیکن جاسوسی تو کہیں نہیں گئی۔اس کا کیا حال ہے؟''

'' اس کی بھی اسی وقت تک قدر تھی ۔ جب تک میری اخباری ہل چل کامیاب تھی۔ پھر اس میں ملتا ہی کیا ہے۔ وہ تو محض دوسری سرگرمیوں کی پردہ پوشی اور رفع شر کے خیال سے مفید تھی۔ لیکن اب اطمینان اور آرام کا زمانہ قریب ہے اس معاملہ میں کامیابی ہوگئی تو ہم ہندوستان کے بڑے سے بڑے دولت مند آدمی کا مقابلہ کرسکیں گے۔''

اس گفتگو سے ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا۔ کہ مرزا بلگرامی کے فریب کا جال کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا ۔مذہبی اور تعلیمی معاملات میں دلچسپی صِرف ٹٹّی کی آڑتھی جس کے پیچھے بیٹھ کر یہ شخص شکار کھیلتا تھا اور اس خیال سے کہ حکّامِ وقت کو اس کی مجرمانہ حرکات کی جانب شبہ نہ ہو' وقتاً فوقتاً اپنے اثر اور ذہانت کو ان کی خدمت میں پوشیدہ طور پر صَرف کرتا تھا۔ یہ سوائے اس کے اپنے آدمیوں کے کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیسیوں بلوے اور کشت و خون' اطرافِ ملک میں ان ہی حضرت کی بدولت ہوتے ہیں اور مختلف طریقوں سے روپیہ اس کے ذاتی خزانے میں جمع ہوتا تھا۔ دہلی کے کئی قتل جن کا آج تک پتہ نہ چلا ۔ ان میں مرزا کے گُرگوں کی شرکت تھی' کتنے ساہو کاروں اور کارخانہ داروں کا دیوالیہ نکل گیا۔ وہ بھی مرزا کی بدولت' رستم جی جس کے ساتھ ایسی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں ۔مرزا کا شریک کار اور قوت بازو تھا۔ عام طور پر دہلی میں مشہور تھا کہ بمبئی کا ساہو کار ہے جس نے جنگ کے زمانے میں فوجی سامان مہیا کرنے کے ٹھیکے لے کر بہت دولت پیدا کی ہے۔لیکن اصلیت کچھ اور تھی ۔گھوڑ دوڑ کے میدان میں اصطبل کے ملازمین یا چابک سواروں سے مل کر جس گھوڑے کو چاہتا آگے بڑھاتا اور جسے

چاہتا پیچھے رکھتا ۔ اس طرح لاکھوں روپیہ اس کی جیب میں پہنچ جاتا اورسینکڑوں آدمی تباہ ہوتے تھے ۔ بڑی بڑی کلبوں میں جا کر تاش کھیلتا ' بازیاں ہارتا۔ مگر نوجوان والیانِ ملک اور تعلقہ داروں سے دوستی پیدا کر کے انھیں اپنی عالی شان کوٹھی واقع دریا باد میں بلاتا۔ بڑی پُر تکلّف دعوتیں دیتا اور بنے ہوئے تاش کے پتّوں کی مدد سے ہزار ہا روپیہ جیت لیتا۔ کتنے رئیس زادے اس کی بدولت قرض کے پھندے میں گرفتار ہو گئے او اکثر نے خودکشی کر لی ۔ علاوہ عالی شان کوٹھی ' باغ اور قیمتی گھوڑوں اور موٹروں کے رستم جی کے سامان عیّاری میں کئی نوجوان عورتیں بھی تھیں جو تھیٹروں اور دیگر تفریح کے مقامات سے نوجوان رئیس زادوں کو پھانس کر رستم جی کے جال میں لے آتی تھیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے شاطر اور ہوش مند آدمی کی شرکت مرزا بلگرامی کے لیے بہت کار آمد تھی' اہم معاملات میں رستم جی کا مشورہ ضروری تھا۔ ہیرا بائی کا قبضے میں آجانا اس بڑے کام میں جسے مرزا اپنی زندگی کا روشن کارنامہ سمجھتا تھا ' اہمیت سے خالی نہ تھا۔ اس وقت حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ ہیرا بائی کو کہاں رکھا جائے؟

''اور آپ نے ہیرا بائی کو کہاں رکھا ہے؟''

''سرِ دست وہ برابر کے کمرے میں ہے اس مسئلے میں تم سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔''

''میرا اس سے یہاں روشناس ہونا مناسب نہیں ۔ ایسا نہ ہو کمرے کے باہر آجائے۔ آیئے کسی اور جگہ باتیں کریں۔''

''اس کا اندیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے۔''

رستم جی نے مرزا کو بڑی حقارت سے اور غصّہ سے دیکھا اور کہا۔

''مرزا صاحب باوجود اپنی قابلیت اور ہوشیاری کے آپ نازک موقعوں پر بڑے گدھے پَن سے کام لیتے ہیں ۔ جاؤ فوراً دروازے کا کھٹکا کھول دو۔ اگر اس کو گمان بھی ہوا کہ وہ یہاں قید کرنے کی غرض سے بلائی گئی ہے تو قیامت برپا ہو جائے گی ۔ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''پھر کیا کیا جائے۔ احتیاط نہ کی جائے گی تو ممکن ہے کہ یہ لڑکی جو ہر لحاظ سے سونے کی چڑیا ہے ہاتھ سے جاتی رہے۔''

''تم کو خدا نے معمولی مجرم بنایا تھا۔ پیشہ ور مجرموں کے بھدّے اور بھونڈے ذرائع استعمال کرنے کا خیال تمہارے دماغ سے کبھی نہیں نکلتا ۔ ان معاملات میں تمہارا شریک کار نہ ہوں تو معلوم نہیں کیا ہو۔ ہیرا بائی اس طرح رکھے جانے کی شے نہیں۔ اسے موٹر میں بٹھا کر باہر سیر کو لے جاؤ اور ہر طرح کا اطمینان دلاؤ شام کو کسی لڑکی کو بھیجوں گا۔ اسے دریا باد میرے مکان پر لے آئے گی۔ وہاں با آرام رہ سکتی ہے۔''

''لیکن ان بد ذات خدائی فوجداروں کا بھی خیال رہے۔ اس معاملے میں انھوں نے ٹانگ اَڑائی تو بڑی مشکل ہوگی۔''

ڈرنے کی کیا بات ہے کل ہمراے سب آدمی جو گوکھلے کی تلاش میں گئے تھے واپس آ گئے ہیں ۔ اگرچہ انھیں گوکھلے کا راز معلوم نہ ہو سکا ۔ لیکن گوکھلے دہلی آ گیا ہے۔ کوئی دوسری تدبیر اختیار کی جائے گی' کوئی تازہ بات معلوم ہو تو مجھے ٹیلیفون پر اِطّلاع دینا۔ خدائی فوجداروں کی سرکُوبی کے لئے ہمارے پاس کافی آدمی ہین۔ اچھا خدا حافظ میں میں جلدی میں ہوں آج گھوڑ دوڑ میں جانا ہے۔

..................☆☆☆..................

باب ۵

رستم جی کی ہمشیرہ

مرزا بلگرامی نے مضمون ختم کر کے مطبع میں بھیجا۔ تکیہ کے نیچے سے آئینہ' کنگھا نکال کر تخت پر بیٹھے بیٹھے اپنی داڑھی اور سر کے پریشان بال درست کئے لمبی کاکلوں میں بل ڈالے۔ سُرمہ لگایا اور ایک ریشمی عبا پہنا۔ ہیرا بائی کو ساتھ لے کر کشمیری دروازے گیا۔ ایک انگریزی دکان سے ہیرا بائی کی پسند کے موافق نقشہ کشی اور مصوّری کا بہت سا سامان خریدا۔ چائے کا وقت ہو گیا تھا سامنے ڈیویکو کی دکان میں داخل ہوا اور چائے' کیک اور پھل وغیرہ لانے کا حکم دیا۔ یہاں کافی مجمع تھا' ہر طرف چھوٹی چھوٹی میزوں کے گرد عورتیں اور مرد چائے پینے اور باتیں کرنے میں مشغول تھے' دکان کے ایک حصّے میں بینڈ بج رہا تھا۔ ایک گوشے میں ہیرا بائی نے ایک نوجوان کو بیٹھے دیکھا جس کی صورت اس شوفر سے ملتی تھی جو اسے مرزا بلگرامی کے دفتر کے باہر دوپہر کو ملا تھا۔ لیکن اس وقت لباس دوسرا تھا۔ خیال کیا کہ شاید دھوکا ہو۔ غریب شوفر ایسی اونچے درجے کی دکان پر چائے پینے کیوں آئے گا؟

بازار سے واپس آئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک نوجوان خوب صورت عورت اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور بڑے تپاک سے کہا۔

''ہیرا بائی آپ ہی ہیں۔ میرا نام کملا بائی ہے۔ یہ دیکھو ابھی میرٹھ سے تار آیا ہے۔ تمہاری پھوپھی شیریں بائی نے بھیجا ہے ہم لوگ یہاں موجود ہیں تو آپ کو تنہائی کا اندیشہ نہ ہونا چاہیئے۔''

ہیرا بائی کو اس نوجوان عورت کی وضع قطع ' نے تکلّفانہ گفتگو اور تصنّع آمیز لب و لہجہ پر قدرے تعجب ہوا۔ نئی وضع اور مغربی تقلید کی مہر ہر چیز پر نظر آتی تھی ۔ سر کے بال کٹے ہوئے'

مگر دونوں کانوں کے آگے لمبی کاکلیں سیاہ رنگ کی طرح خمدار اور پریشان نہ تھیں بلکہ تازہ ترین وضع پر بالوں کے لچّھے سرخ اور چمکدار رخساروں کے نزدیک کالی گھٹا کی طرح جھکے ہوئے تھے۔ گالوں کی شوخی، پوڈر اور غازہ کی مدد سے دوبالا کی گئی تھی۔ پتلے ہونٹوں پر معمول سے زیادہ سرخی مصنوعی رنگ کا پتہ دیتی تھی ۔بڑی بڑی گول آنکھوں سے بچّوں جیسی معصومیت کا اظہار ہوتا تھا۔مگر ایک آنکھ کا بات بات پر دبانا اس ظاہری بھولے پَن کا راز افشا کیئے دیتا تھا۔سرخ شوخ رنگ کی پھولدار ساڑھی معمول سے زیادہ اونچی بندھی ہوئی تھی ۔جس سے نصف سے زیادہ موٹی سڈول پنڈلیاں کُھلی ہوئی تھیں۔ ہاتھ شانوں تک آستین کی قید سے آزاد تھے۔ گردن اور سینے کا بالائی حصّہ نئی وضع کے خوشنما بلاوز کے باوجود کُھلا ہوا۔ اگرچہ نظر فریب تھا۔ لیکن ہیرا بائی جیسی تعلیم و تربیت اور خیالات کے معیارِ ناموس اور ستر پوشی سے گرا ہوا تھا۔

''میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں ۔لیکن میری پھوپھی نے مجھ سے کبھی ذکرنہیں کیا کہ وہ آپ کو جانتی ہیں۔''

''مجھے تعجب ہے۔شیریں بائی سے ہمارے قدیم تعلّقات ہیں، میں مدّت سے یہاں نہ تھی۔ مگر وہ میرے بھائی صاحب کو جانتی ہیں۔تمھاری تنہائی کا خیال کر کے انھیں بھائی صاحب یاد آئے ہوں گے اور انھوں نے یہ تار بھیجا ہے۔ میرے ساتھ چلو شام ہوئی جاتی ہے۔نئ دہلی کی طرف موٹر پر بیٹھ کر چلیں ۔ رات کو ہماری کوٹھی راحت منزل ہی میں آرام کرنا۔ اف یہ کمرہ کیسا تنگ وتاریک ہے۔میرا تو اتنی دیر میں دل لَوٹا جاتا ہے۔

''کیا آپ کے بھائی صاحب یہاں آپ کے ساتھ آئے ہیں؟''

'' بھائی صاحب کاروباری آدمی ہیں بہت مصروف رہتے ہیں شام کے وقت واپس آئیں گے ۔تم اس سے مل کر بہت خوش ہو گی۔ ایسے ٹاٹھ کا آدمی تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔''

''ناتجربے کار اور شریف طینت ہیرا بائی کو کیا معلوم تھا کہ یہ نوجوان عورت جو تتلی کی ایسی بنی سنوری سامنے کھڑی ہے۔کسی زبردست شخصیت کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح کام کر رہی ہے۔ اپنا دستی بیگ اٹھا کر ساتھ ہولی اور بڑی نفیس اور شان دار موٹر میں بیٹھ کر نئ دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔

بلگرامی بلڈنگ سے کچھ دور کے فاصلہ پر جو موٹر کھڑا تھا اس کا شوفر اپنی جگہ بیٹھا مرزا کے دفتر کے جانب غور سے دیکھ رہا تھا۔لڑکیوں کے روانہ ہونے کے بعد قدرے انتظار کیا پھر تیزی سے اپنا موٹر نئی دہلی کی طرف پہلی موٹر کے پیچھے لے گیا۔

..................☆☆☆..................

باب ٦

گوکھلے کا قتل

گوکھلے کے جانے کے بعد تینوں دوست مسئلہ کی اہمیت پر غور کرنے لگے مسعود نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔ کچھ دیر کمرے میں ٹہلا اور کہنے لگا۔

''میری مصروفیت سے آپ کو یقین ہوا ہو گا کہ میں بے کار نہیں رہا ہوں۔ مرزا بلگرامی جس کے ظاہری تقدس اور مذہبیت کی وجہ سے ہم لوگ بھی آج تک دھوکے میں تھے۔ معمولی آدمی نہیں ہے۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا کسی نئے جرم کے ارتکاب کی فکر میں ہوگا۔ بظاہر ہیرا بائی کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور آج شب وہ رستم جی کی شاندار کوٹھی راحت منزل میں بسر کرے گی۔ لیکن مجھے گوکھلے کی خیر نظر نہیں آتی ہے اور سوال یہ ہے کہ اس کی جان کس طرح بچائی جائے۔''

مہراب جنگ نے سنجیدگی سے کہا۔

''مجھے مطلق پسند نہیں ہے کہ ہیرا بائی رستم جی کے پنجے میں ایسی آسانی سے پھنس جائے۔ اس کا راحت منزل میں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔''

لوک بہادر جواَب تک خاموش تھا بولا۔

''لیکن اس معصوم لڑکی کو وہاں رہنے کیوں دیا جائے؟''

مہراجنگ۔ ''ٹھیک کہتے ہو میری بھی یہی رائے ہے۔''

مسعود نے اس سے اتّفاق کیا۔ لیکن جوش سے کہا۔

''سب سے پہلے گوکھلے کی خبر لینا چاہئے ۔ مرزا کے آدمی اس کی تاک میں ہوں گے بہتر

ہوگا کہ اسے یہاں لے آئیں وہ رات کو ہمارے ساتھ رہے۔''

لوک بہادر کو گھر چھوڑا' وہ تنہا بیٹھا ہوا ایسے مسائل کی گُتھی اپنی دماغی قابلیت سے سُلجھایا کرتا تھا۔ اکثر افسران پولیس بھی پیچیدہ مقدمات میں اس کی رائے لیا کرتے تھے۔ مسعود اور مہراب جنگ ،موٹر میں بیٹھ کر کشمیری ہوٹل پہنچے' گوکھلے اپنے کمرے میں نہ تھا۔ کمرہ بند تھا۔ لیکن ہوٹل کے ملازم نے کہا کہ وہ چائے پی کر پارک کی طرف چلے گئے ہیں۔ شام ہوگئی تھی' گوکھلے کا اتنی دیر تک تنہا باہر رہنا اندیشہ سے خالی نہ تھا۔ مسعود نے تیزی سے موٹر چلائی اور پارک کا رخ کیا۔ راستہ میں ڈاکٹر عبدالرّحمان سگار منہ میں دبائے پارک کی طرف جاتے ہوئے ملے مہراب جنگ کے اشارہ کرنے پر مسعود نے موٹر کو روکا اور ڈاکٹر سے کہا۔

''آیئے ڈاکٹر صاحب! ہمارے ساتھ چلیئے۔ہم بھی پارک میں سیر کرنے جارہے ہیں۔''

ڈاکٹر نے بڑے تپاک سے کہا۔

''تم لوگوں کو پارک میں سیر کرنے کی فرصت کہاں! سچ سچ بتاؤ۔کیا معاملہ ہے؟''

''ہم لوگ گوکھلے نامی ایک مرہٹے کی تلاش میں ہیں۔ چاہتے ہیں کہ آج شب کو اسے اپنے ساتھ کھانا کھلائیں۔''

''مرہٹے'' کی ملاقات سے مجھے کیا ملے گا۔ یہ کہو کوئی بات میری دلچسپی کے لائق بھی ہے؟''

''کیوں نہیں ۔ یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ مالوہ کے جنگلوں میں لوگوں کے جسم کر گرم لوہے سے کس طرح داغا جاتا ہے تو ہمارے ساتھ چلو'

ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا اور موٹر میں بیٹھ کر کہا۔

''لوہے سے داغنے کے نشان طبّی لحاظ سے چنداں دلچسپی نہیں رکھتے لیکن تمہارا مرہٹہ مہمان نہ مِلا تو مجھے ناخواندہ مہمان سمجھ کر کھانا کھلانا۔ آج کل دلچسپی کا کوئی سامان نہیں' شاید تم لوگ اپنے کسی تازہ کارنامے کے حالات بیان کرو۔ اب تو سانپ نے بھی کاٹنا بند کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی سوراخ میں گُھس کر مر گیا۔

''ممکن ہے کہ آج کل کینچلی میں ہو۔ کیا تعجب ہے کہ کینچلی بدل کر پھر کاٹنے لگے۔''

ڈاکٹر جو بڑا خوش مزاج مگر سادہ لوح تھا زور سے ہنسا اور موٹر پارک میں داخل ہوئی۔

شام ہو چکی تھی لوگ گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ ٹینس کھیلنے والے بھی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو رہے تھے۔ چاندنی چوک کے پھاٹک سے ریلوے اسٹیشن تک گھومے ۔ مگر گوکھلے نظر نہ آیا ۔ پھر واپس ہوئے سڑک سے علیحدہ مولری کے درخت کے نیچے ایک بنچ پر گوکھلے کو بالکل خاموش پیر پھیلائے بیٹھا دیکھا۔ مسعود نے اشارہ کیا ۔ موٹر رکی' یہاں ایک پولیس کانسٹیبل بھی سڑک پر کھڑا ہوا بنچ کی طرف تاک رہا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو پہچانا اور کہا۔

''میں بڑی دیر سے اس آدمی کو نظر میں رکھے ہوئے ہوں ۔ بہت دیر ہو گئی اسی طرح بے حِس بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کوئی گرہ کٹ نہ ہو۔ تین چار دن ہوئے پارک کے اس گوشے میں ایک مارواڑی ساہوکار کی جیب سے کسی نے نوٹ نکال لئے تھے۔''

مہراب جنگ' گوکھلے کی طرف بڑھا ۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی' ہاتھ بنچ پر بے حِس وحرکت پڑے ہوئے' سر بنچ کے تکیہ پر رکھا ہوا چہرے کی رنگت تانبے کی طرح چمکتی ہوئی ۔ فوراً با آواز بلند کہا۔

''مسعودؔ جلد یہاں آؤ۔''

مسعود موٹر سے کود کر آگے بڑھا' مہراب جنگ نے گوکھلے کا سر بنچ کا تکیہ سے ہٹایا ہی تھا کہ دھڑ سے گر پڑا ۔ ڈاکٹر نے دوزانو ہو کر اُس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے کہا۔

''مر گیا...... بڑے غضب کی بات ہے۔''

''انگلی سے گردن کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک سرخ نشان اُبھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔''

مہراب جنگ کے دریافت کرنے پر ڈاکٹر نے کہا۔

''سانپ کے کاٹنے کا نشان ہے!''

دلیری اور بیباکی کی کوئی حد باقی نہ رہی ۔ شہر دہلی کے وسط میں وکٹوریہ پارک جیسا تفریح کا مقام جہاں ہر وقت آدمیوں کا مجمع رہتا ہے۔ پولیس کانسٹیبل کی موجودگی کے باوجود گوکھلے کا اس طرح مارا جانا تعجب سے خالی نہ تھا۔ بے چارہ کانسٹیبل سخت پریشان تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسے سخت سزا ملے گی ۔ ڈاکٹر سے کہنے لگا۔

''حضور ! اس میں میرا کچھ قصور نہیں ۔ میں بڑی دیر سے اس آدمی کی نقل وحرکت کو دیکھ

رہا تھا۔تھوڑی دیر روش پر ٹہلتا رہا۔ پھر بنچ پر بیٹھ گیا اور آپ نے اس حالت میں پایا۔‘‘

’’کیا کسی نے اس سے باتیں کی تھیں؟‘‘

’’نہیں حضور، کسی نے نہیں، شام کے وقت پارک میں بہت سے آدمی تھے۔لیکن کوئی اس کے نزدیک نہیں گیا۔‘‘

مولری کے درخت کے نیچے بنچ سے قریب گلاب کی ٹٹّی تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے مہراب جنگ نے پوچھا۔

’’تم نے کسی آدمی کو اس ٹٹّی کے پیچھے تو نہیں دیکھا؟‘‘

’’جی نہیں مجھے خیال نہیں۔ بظاہر کوئی یہاں نہیں آیا۔‘‘

مہراب جنگ نے ٹٹّی کے پیچھے جا کر دیکھا تو گھاس کی نمی پر جُوتے کے نشانات پائے گئے۔ ’’ڈاکٹر صاحب ! اب ہم لوگ جاتے ہیں۔ گھر جاتے ہوئے کوتوالی میں اطّلاع کر دوں گا تا کہ لاش کے ہٹانے کا انتظام کیا جائے۔‘‘

تھوڑی دیر بعد ایک بند گاڑی آئی اور گوکھلے کی لاش کو لے کر ہسپتال کی جانب روانہ ہوگئی۔

تینوں دوست بلی ماران میں جمع ہوئے ۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر مسعود نے لوک بہادر سے کہا۔

’’تم ٹھیک کہتے تھے جس سانپ کو لوگ مردہ تصوّر کرتے تھے ابھی زندہ ہے۔آج غریب گوکھلے کی باری تھی۔ لیکن یہ تو کہو کہ میں کب تک اس ظالم سانپ کے حملے سے محفوظ رہوں گا۔‘‘

لوک بہادر مسکرایا۔

’’جس طرح نشیب کی طرف پانی بہتا ہے اور ضرور بہتا ہے ۔ اسی طرح یہ بھی یقین ہے کہ آج نہیں تو کل ضرور سانپ تمھاری طرف دوڑے گا۔‘‘

’’آخر غریب الوطن گوکھلے کا کیا قصور تھا۔ اسے دہلی آئے چند گھنٹے ہوئے تھے۔‘‘

’’ یہ قصور کیا کم تھا کہ وہ ہماری امداد اور مشورے کا طالب ہوا۔ سانپ کا مالک ہماری

مداخلت کو سب سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔‘‘

’’اب کچھ شبہ باقی نہیں رہا۔ ہمارا خیال درست تھا کہ سانپ انکل پچّو طریقے سے نہیں کاٹتا بلکہ اس کا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو مرزا بلگرامی کے سدّ راہ ہوتے ہیں۔ گوکھلے ہیرا بائی کی تلاش میں تھا اور امداد کے لئے ہمارے پاس آیا' ہیرا بائی اس وقت مرزا کے قبضے میں ہے۔ سانپ کا کاٹنا لازمی تھا۔‘‘

’’افسوس گوکھلے یہ بھی نہ بتانے پایا کہ اس کے راز کا ہیرا بائی سے کیا تعلّق ہے اور معاملہ کیا ہے۔ موت نے اس کی زبان بند کردی ہم نے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر شرم کی بات ہے کہ اس کی حفاظت تک نہ کر سکے اب ہیرا بائی کی خبر لینا چاہیے۔‘‘

کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر وقار حسین خفیہ پولیس کا کارگزار افسر کمرے میں داخل ہوا اور کرسی پر بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

’’کنور صاحب مجھے معلوم ہوا ہے کہ جس وقت گوکھلے پارک میں مُردہ پایا گیا۔ آپ وہاں موجود تھے۔ جس سانپ کو خلقت مُردہ تصوّر کر چکی تھی پھر زندہ ہوگیا۔ سرِشام پارک جیسے تفریح کے مقام پر جہاں پولیس پر وقت تعینات رہتی ہے ایسا حادثہ ہونا تعجب خیز ہے۔ حکّام بالا دست کو اندیشہ ہے کہ اس سانپ کا سر جلد کچلا گیا تو بڑی بدنامی ہو گی۔ عوام میں اب تک یہ خیال تھا جہ سچ کا سانپ لیکن آپ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سانپ نئ قسم کا ہے۔ جب کاٹتا ہے جسم کے بالائی حصے پر جو سپیرا اس سانپ کو قابو میں کئے ہوئے ہے اس کا پتہ جلد چلنا ضروری ہے۔ کیا آپ ہماری امداد کریں گے؟‘‘

’’بڑی خوشی کے ساتھ۔‘‘

’’مجھے معلوم ہوا ہے کہ گوکھلے آپ سے ملنے آیا تھا۔ کیا باتیں ہوئیں؟‘‘

’’بہت متوحّش نظر آتا تھا۔ اس نے ہیرا بائی کی تلاش کے لیے ہم سے التجا کی۔‘‘

’’ہیرا بائی کون ہ اور کہاں رہتی ہے' اور گوکھلے کیوں اس کی تلاش میں تھا؟‘‘

ہیرا بائی آج مرزا بلگرامی کے ہاں تصویر کشی کے لیے ملازم رکھی گئی ہے۔ رات کو رستم جی جس کے یہاں قیام کرے گی۔ اس کی بابت کچھ نہیں بتایا کہ اس راز کا ہیرا بائی سے کیا تعلّق

ہے۔‘‘

تو میرا خیال غلط نہ تھا۔ مرزا بلگرامی جو اس قدر تقدّس اور مذہبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور سرکاری خیرخواہی میں اتنا پیش پیش رہتا ہے خطرناک مجرم ہے۔‘‘

’’یہ ہم نہیں کہہ سکتے ۔ ممکن ہے کہ ہیرا بائی کو محض اسکول کی ترقی کے خیال سے ملازم رکھا ہو۔‘‘

سرِ دست سوال یہ ہے کہ غریب گو کھلے سے کسی کو کیا خطرہ تھا کہ اس سُرعت کے ساتھ اسے قتل کیا گیا۔ آپ لوگوں کو اس نے مفصّل حال نہیں بتایا۔ ممکن ہے کہ اس کے جائے قیام پر کچھ کاغذات ہوں جن سے کچھ معلوم ہو سکے ۔ آیئے مرے ساتھ کشمیری ہوٹل چلئے۔

☆☆☆

باب ۷

سونے کا بُدھ

ہوٹل کی دوسری منزل کا کمرہ جس میں گوکھلے کا سامان بند تھا کھولا گیا ایک گوشے میں بستر بند جو ابھی کھولا بھی نہیں تھا۔ ایک ٹرنک پر رکھا ہوا تھا۔ بستر بند میں کوئی چیز قابلِ لحاظ نہ پائی گئی۔ پولیس افسر نے جیب سے چابیاں نکال کر بکس کھول ۔ دو تین جوڑے کپڑ ے وہ بھی کھدّ ر کے، ایک گجراتی زبان کی مجلّد کتاب، پھر اس کتاب کو غور سے دیکھا۔

یہ کسی شاعر کا دیوان تھا جس کے شروع کے ورق پھٹ گئے تھے۔ جلد کی دفتی کے اندرونی جانب پنسل سے دو قطار میں ہندسے لکھے ہوئے تھے۔ ۲/۷، ۲/۱۹، ۲/۱۶، ۲/۱۷، ۱۰ تقریباً ۱۵، ۲/۱۸ تقریباً ۱۳، ۲/۱۶ کے گِرد سرخ پنسل سے حلقہ کھنچا ہوا تھا۔ مہراب جنگ نے ہندسوں کو غور سے دیکھا۔ پھر دو تین مرتبہ کتاب کے اوراق لوٹے پلٹے۔ معلوم ہوتا ہے ہے گوکھلے اس دیوان کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور بار بار پڑھ چکا تھا۔ اکثر اشعار پنسل سے خط کشیدہ تھے۔ بعض جگہ حاشیہ پر ہم معنی اشعار پنسل سے درج تھے۔ کہیں ''شاباش'' کسی جگہ۔ خوب کہا۔ ''کہیں بے شک'' لکھا ہوا تھا۔ ایک جگہ نصف صفحہ سادہ تھا۔ اس پر پنسل سے ایک نقشہ کھنچا ہوا تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہ تھی، کتاب پڑھتے وقت جب پنسل ہاتھ میں ہوتی ہے اور انسان کچھ سوچتا ہے اور خیال کہیں اور ہوتا ہے تو اکثر لکیریں بناتا ہے۔ کبھی کسی تصویر کا خاکہ کھینچتا ہے۔ بظاہر یہ بھی اسی قسم کی لکیریں تھیں لیکن جس جگہ گول دائرے کے اوپر مثلث بنا ہوا تھا اس کے قریب ''لال کٹھور'' دیکھ کر مہراب جنگ چونکا۔ وقار حسین نے دریافت کیا۔

''کنور صاحب ! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شاعری سے شوق ہے۔ کیا کوئی دلچسپ شعر نظر

آیا؟''

اس وقت مہراب جنگ کا خیال کہیں اور تھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اس ''لال کٹھور'' کا مطلب سمجھنے کی فکر میں تھا۔ اس نے یہ نام کہیں ضرور سنا تھا۔ لیکن کہاں اور کس سلسلے میں؛ مہراب جنگ جیسے حافظہ اور دماغ والے آدمی کو زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑی ۔ ایک مرتبہ مالوہ کے جنگلوں میں شکار کے سلسلے میں گیا تھا تو وہاں کے باشندوں کو رات کے وقت الاؤ کے گرد

ا و نچی ٹو ر یا لا ل کٹھو ر

جس میں گڑ ے ۵ ٦ کڑ و ر

گاتے سنا تھا۔ ممکن ہے کو گوکھلے نے بھوپال کے کسی گاؤں میں یہ سنا ہو گا اور دیوان پڑھتے وقت پنسل سے مِلا کسی خاص خیال کے لکھ دیا ہو گا۔ لیکن یہ کوئی اتّفاقی بات نہیں معلوم ہوتی ۔ پنسل کے نقشے پر جو دوسرے نشان ہیں ان سے جنگل' دریا اور پہاڑیوں کا پتہ چلتا ہے۔ انسپکٹر پولیس صندوق کے سامان کی باضابطہ فہرست بنا رہا تھا۔ کپڑوں کے نیچے کی تہہ اُٹھا چکا تو کوئی بھاری اور وزنی چیز ایک تکیہ کے غلاف میں لپٹی ہوئی معلوم دی ۔ اُٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ نیچے کے دو سوراخوں میں سے مضبوط سُتلی اندر آ کر اس چیز کو مضبوط جکڑے ہوئے ہے اور ہلنے نہیں دیتی ۔ جیب سے چاقو نکال کر سُتلی کاٹی اور احتیاط سے اس بھاری چیز کو اُٹھایا ۔ غلاف کے اندر کئی تہہ کثیف کپڑے کی دَھجیاں کسی لیس دار چیز سے اس کے گِرد لپٹی ہوئی تھیں ۔ ان کو ہٹایا تو گوتم بدھ کا مجسّمہ بر آمد ہوا ۔ آتش دان کے چھجّے پر رکھا اور دو تین قدم پیچھے ہٹ کر غور سے دیکھا ۔ یہ گوتم بدھ کا معمولی بت تھا۔ جو اس قدر عام ہے کسی دھات سے ڈھالا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ مہراب جنگ نے ہاتھ پر اُٹھا کر وزن کا اندازہ کیا۔ اس کی جسامت اور وزن پر غور کر کے مسکرایا اور ہوٹل کے منیجر سے جو بطورِ گواہ تلاشیٔ مکان یہاں موجود تھا کہا۔

''مہربانی کر کے وزن کرنے کے لیے ترازو کا ٹنا جلدی سے لے آیئے۔''

''انسپکٹر صاحب کو گوکھلے کا قتل ہونا اب سمجھ میں آیا' جو شخص اپنے بکس میں دس بارہ ہزار روپے کی مالیت کا سونا لئے گھومتا پھرے وہ کب تک محفوظ رہ سکتا تھا۔''

''کیا آپ کی رائے میں یہ بت سونے کا ہے؟''

''بیشک ! اس جسامت پر اتنا وزن اور کس دھات کا ہوسکتا ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔مزید ثبوت کی ضرورت ہوتو یہ دیکھئے۔''

جیب سے چاقو نکالا اور بت کی پشت پر نوک سے چھوٹا سا خراش بنایا ۔ صاف سونا نظر آنے لگا۔

اتنے میں منیجر ایک ترازو لے آیا۔ بت ترازو میں رکھا گیا۔ پہلے پانچ سیر پھر ایک سیر کا باٹ اور رکھا گیا۔لیکن بت کا پلّا ابھی نیچا تھا۔

''مہراب جنگ نے کہا۔''ٹھیک ساڑھے چھ سیر ہے۔''

چھوٹے چھوٹے باٹ اور رکھے گئے تو واقعی ساڑھے چھ سیر نکلا۔ نہ ایک ماشہ کم نہ زیادہ! منیجر باہر گیا تو وقار حسین نے پوچھا۔

''کنورصاحب یہ تو کہیے آپ نے اس کے وزن کا صحیح اندازہ کیسے کیا؟''

''ہم سے پہلے گوکھلے اس کا وزن کر چکا ہے۔ اس جلد کے اندر جو آپ پنسل' کے ہندسوں کی قطاریں دیکھتے ہیں ان میں سے ایک کے گرد سرخ پنسل سے حلقہ کھینچا ہوا ہے یہ ۶۱/۲ ہے ۔ اس لئے میں سمجھا کہ اس بت کا وزن ساڑھے چھ سیر ہے' ذرا اس پر غور کیجئے کہ ان ہندسوں میں یہ سب سے چھوٹا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گوکھلے کو ان بتوں کا ذخیرہ پوشید ہ ملا ہے۔ اس نے انھیں وزن کیا اور اس کتاب میں لیا۔ سب سے چھوٹا بت اپنے ساتھ لے آیا۔''

'' تو یہ کہیے کہ لاکھوں روپے کا سونا' اچھا خاصہ خزانہ گوکھلے کو مل گیا تھا لیکن بعض ہندسوں کے آگے لفظ وغیرہ کیوں لکھا ہے؟''

''یہ لفظ دس سے زیادہ ہندسوں کے آگے لکھا گیا ہے۔مثلاً ۱۳ اور ۱۵ کے آگے ۔معلوم ہوتا ہے کہ گوکھلے کے پاس وزن کرنے کے لیے جو ترازو تھی۔ وہ دس سیر سے زیادہ نہ تھی۔ یا زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس کے پاس بحالت سفر وزن کرنے کا کانٹا تھا۔ جیسا برف فروش یا پھیری والے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اوراس کانٹے پر دس سیر تک وزن کیا جاسکتا ہے۔''

انسپکٹر وقاحسین حیرت اور استعجاب سے اس ذہین اور زیرک آدمی کی باتیں سن رہا تھا۔
انسپکٹر صاحب' اس تازہ انکشاف سے ظاہر ہے کہ جہاں اتنا بڑا خزانہ ہو وہاں خزانے کے ساتھ لی۔ قصّہ کہانی کا مارِخزانہ نہیں بلکہ کالے ناگ سے بھی زیادہ خطرناک اور تیز رفتار ہے۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ خزانے پر مسلّط نہیں ہے بلکہ مالک خزانہ ہی کو ڈس گیا۔ افسوس گو کھلے وسط دہلی میں اس طرح قتل ہوا اور حال بھ نہ بتا سکا۔ لیکن اس کی موت کا انتقام کی طالب ہے۔ آیئے جو زندہ ہیں ان کی خبر لیں۔

نیچے اترے تو دفتر کے سامنے لالہ بنارسی داس دہلی کے متمول ساہو کار کو کلرک سے کچھ دریافت کرتے پایا۔ انسپکٹر وقار حسین اور اس کے ساتھی جلدی میں تھے ہوٹل کے باہر چلے گئے ۔ لیکن مہراب جنگ لالہ بنارسی داس کو قدرے پریشان پا کر ٹھہر گیا۔ منیجر نے لالہ صاحب کو دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا۔ ''کوئی خدمت میرے لئے ہو تو بیان فرمایئے۔''

''کچھ نہیں ۔ میں آپ کے ایک مہمان سے ملنے آیا تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ کچھ دیر ہوئی انتقال کر گیا۔''

☆☆☆

باب ۸

راحت منزل

پونا اور بمبئ میں ہیرا بائی نے سوداگروں کی عالی شان اور سر بہ فلک کوٹھیاں دیکھی تھیں۔ لیکن جو بات راحت منزل کے احاطے میں داخل ہو کر دیکھی ۔ وہ کچھ اور ہی تھی ۔ نہایت نفیس باغ' ہر طرف پھول کھلے ہوئے ۔ ٹینس کھیلنے کے لئے گھاس کا مخملی لان' جا بجا اٹلی کے بنے ہوئے سفید مجسّمے' پورچ کے سامنے سنگِ مرمر کا خوب صورت حوض جس میں فوارہ باغ کی دلچسپی کو دوبالا کر رہا تھا۔ مکان کیا تھا اچھا خاصا محل تھا۔ ہر چیز سلیقے اور قرینے کی۔

شام ہو چکی تھی بجلی کی روشنی ہلکے رنگ کے فانوسوں سے چھن کر آ رہی تھی ۔ غلام گردش میں ایرانی قالینوں کا نرم اور دیدہ زیب فرش' غرضیکہ ہر شے راحت اور سکون کی طرف مائل کرتی تھی ۔ ملاقات کے کمرے میں جو بہت عمدہ اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا۔ قدرے آرام کیا اور پھر کملا بائی سے پوچھا۔

''تمہارے بھائی کیا کام کرتے ہیں؟''

''یہی تجارت لین دین کا کام۔''

''میں نہیں جانتی تھی کہ لین دین کے کام میں اتنی آمدنی ہوتی ہے ۔ کہ ایسا محل اور یہ ساز و سامان مہیّا ہو سکے۔ یہ تو بمبئ کے لکھ پتی سوداگروں کے یہاں بھی مشکل سے ہو گا' اور تمھارے بھائی صاحب کہاں ہیں''

''کہیں باہر گئے ہیں کھانے کے لیے' تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے۔ بھائی صاحب بڑے وضعدار اور شوقین آدمی ہیں۔ طبیعت کے بہت فیّاض جس عورت سے خوش ہوتے ہیں اسے

سب کچھ دیتے ہیں۔ دیکھو میرے جڑاؤ دست بند‘ اچھی حال میں مجھے دیئے ہیں۔تم نے انھیں راضی رکھا تو کیا تعجب کوئی قیمتی ہار یا کوئی اور چیز تمہیں بھی مل جائے۔‘‘

ہیرا بائی نے اپنے دل میں تعجب کیا کہ جو آدمی ایسا متموّل ہو اور اسی کے ساتھ اس کا مذاق ایسا صحیح ہو۔ جو اس سازو سامان سے بخوبی ظاہر ہے۔ اپنی بہن کو معمولی تعلیم بھی نہ دے سکا نہ شرفاء سے گفتگو کرنے کے آداب بتا سکا۔ دست بند اور بروچ‘ کان کے بندے سے قیمتی‘ لباس بھی عمدہ‘ لیکن باوجود اس کے وہ سادگی اور سلیقہ جو اس درجے کی عورت میں ہونا چاہیئے کملا بائی میں اس کی بہت کمی تھی ۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ عورت جو رستم جی کو بھائی صاحب کہتی ہے معمولی بازاری عورت ہے۔ جو اس کے مشاغل میں مدد دیتی ہے اور دل بہلاتی ہے۔ بالائی منزل پر ایک نہایت عمدہ کمرہ ہیرا بائی کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ سب سامان اعلیٰ درجے کا‘ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی ۔ کھانے میں ابھی دیر تھی۔ آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں رستم جی کی موٹر آئی اور کملا بائی نیچے اُتری ۔ ملاقات کا کمرہ بند کیا گیا ۔ رستم جی ایک کوچ پر بیٹھ گیا اور کملا بائی سے دریافت کیا۔

’’کہو ہیرا بائی کا کیا حال ہے۔اسے کچھ شک تو نہیں۔‘‘

ہیرا بائی آ گئی ہے...... ہے تو نو عمر مگر بڈھوں کی طرح سنجیدہ۔لڑکیوں کی طرح چھل پھل کی باتیں نہیں کرتی۔لیکن یہ بتاؤ تم نے اسے یہاں کیوں بلایا ہے؟‘‘

’’تمہیں اس سے کیا غرض‘ خبردار کوئی اس قسم کی بات نہ کہنا جس سے اسے شک پیدا ہو۔‘‘

’’نہیں ایسا نہ ہو گا لیکن بات کیا ہے؟ یہ ہے کون اور کب تک یہاں رہے گی؟‘‘

’’یہ تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اب تم جاؤ اور کپڑے بدلو۔ کھانے کے بعد ہیرا بائی کو ساتھ لے کر تھیٹر جاؤ آج تماشہ بہت اچھا ہے۔‘‘

’’کیا تم نہیں چلو گے؟‘‘

’’مجھے کچھ کام ہے ۔ آج رات کو کچھ لوگ یہاں آنے والے ہیں ۔ ان کی موجودگی میں ہیرا بائی کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ اسماعیل کو تم جانتی ہو ۔وہ تھیٹر میں تمھاری نگہداشت کرے

گا۔خبردار جووہ کہے اس کی تعمیل کرنا اوراس سے علیحدہ نہ ہونا۔

''میں بارہ بجے کے قریب وہاں آؤں گا۔پھرتم تنہا گھر واپس آنا۔''

''اور ہیرا بائی ؟''

''واپس نہیں آئے گی۔''

''یہ کیوں؟''

''چپ رہو۔تمہیں اس سے کیا غرض ؟ واپس آ کر اس کے کمرے کو ٹھیک کرنا اور ہر چیز جس سے کسی کے قیام کرنے کا شبہ ہو ہٹا دینا۔''

کھانے سے کچھ دیر قبل ہیرا بائی کملا کے ساتھ نیچے آئی۔ رستم جی نے بڑے پرتپاک لیکن احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ شیریں بائی کا مزاج پوچھا۔نئی دہلی کی عمارات کی بابت اس کی رائے دریافت کی۔ غرضیکہ تھوڑی ہی دیر میں ہیرا بائی بے تکلّفی سے باتیں کرنے لگی۔تعلیم یافتہ' جہاں دیدہ اور دوسروں کو اپنی باتوں سے لُبھانے کا روتم جی کو ملکہ تھا ۔کھانے کے بعد ہیرا بائی سے معذرت کی کہ وہ خود تھیٹر نہیں جا سکتا ۔ کچھ ضروری کام ہے۔لیکن تماشہ اچھا ہے امید ہے کہ ہیرا بائی محفوظ ہوگی۔

لڑکیوں کے روانہ ہونے کے بعد رستم جی نے تازہ اخبار دیکھنا شروع کیا۔ پہلے ہی صفحہ پر گوکھلے کی موت' سانپ کا حملہ وغیرہ دیکھ کر پریشان ہوا ور اخبار ہاتھ سے گر گیا اور سوچنے لگا۔

☆☆☆

باب ۹

اعلانِ جنگ

خدمت گارد بے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔

''کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ ملاقات کا یہ کونسا وقت ہے؟''

''میں نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ انداز سے پولاس کا باگڑ بلّا معلوم ہوتا ہے۔''

''اچھا بُلاؤ۔''

مسعود کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر نے رستم جی کی طرف بڑھا۔ نوجوان چھریرا بدن' سیاہ کوٹ اور ترکی ٹوپی پہنے تھا۔ آنکھوں سے ذہانت اور اسی ساتھ قدرے سختی اور نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ رستم جی نے اسے کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن کب اور کہاں کچھ یاد نہ تھا' سر سے پاؤں تک نظر ڈالی ۔ دل کی بے چینی چُھپانے کے لئے سگریٹ کے دو ایک کش لئے اور دریافت کیا۔

''آپ کون ہیں اور ایسے ناوقت آنے کی وجہ؟''

''میرا نام مسعود ہے اور نا وقت حاضری کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ کا زیادہ وقت خراب نہ کروں گا۔ صرف یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ ہیرا بائی کہاں ہیں؟''

''آخاہ ! آپ ہیں۔ خدائی فوجداروں کا نام تو سنا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ تم جیسے ناتجربے کار لڑکے ان میں شامل ہیں۔ میاں صاحبزادے ہاتھی سے گنّے نہ کھاؤ اپنا کام کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔''

''رستم جی کان کھول کر سنو اور ہوشیار ہو جاؤ۔ اس لڑکی کو کوئی نقصان پہنچا تو تمھاری اور تمھارے گُرگوں کی خیر نہیں بتاؤ' ہیرا بائی کہاں ہے؟''

''یہاں نہیں ہے تھوڑی دیر ہوئی یہاں سے چلی گئی۔''

''لیکن بہتر ہے کہ تم موقع کی سنجیدگی کا احساس کرو۔''

''وہ زمانہ گیا جب خدائی فوجداروں سے لوگ خوف کھاتے تھے۔ ہمیں معلوم ہے تم کون ہو۔ تمہارا سردار کون کچھ دن ہوئے قزاقی کرتا تھا۔ معمولی حیثیت کا مجرم ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ تم ہمارے سدّ راہ نہ ہو۔ اپنی جوانی پر رحم کرو بہرام کا ساتھ چھوڑ دو اور علی گڑھ واپس جا کر اپنی تعلیم پوری کرو۔ یہ ذہانت اور ہمت مجرموں کی صحبت میں خراب نہ کرو۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ دہلی میں ایک ایسا آدمی بھی جو تمھارے خون کا پیاسا ہے۔ ذرا سے اشارے میں تمہارا کام تمام کر سکتا ہے۔ لیکن فی الحال تمہیں اس کا نام نہ بتاؤں گا؟''

'' اس کی چنداں ضرورت نہیں ۔ مجھے معلوم ہے۔ مرزا بلگرامی' کیا میں نے اس کے عزیز لیکن ہم پیشہ مجرم کو کتّے کی موت نہیں مارا تھا۔ مگر وہ اس کا مستحق تھا۔ اس کی موت سے تمہیں عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ جلد بتاؤ کہ...... ہیرا بائی کہاں ہے؟''

''بتا تو دیا کہ یہاں نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ہوئی ایک لڑکی کے ساتھ اپنے گھر واپس گئی۔''

مسعود نے رستم جی کو غور سے دیکھا۔ اس میں اسے کمال مہارت تھی کہ بشرے اور اندازِ گفتگو سے معلوم کر لیتا تھا بات کا کتنا حصّہ صحیح ہے اور کتنا غلط ہے۔ اس نے یقین کر لیا کہ ہیرا بائی ضرور باہر گئی ہے اور یہاں نہیں ہے۔

''جو عورت اس کے ساتھ گئی ہے وہ کون ہے؟ ل،کملا؟ جسے تم موقع کے لحاظ سے کبھی ہمشیرہ کہتے ہو کبھی بھانجی؟ سچ بتاؤ کہاں گئی ہے؟''

''کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم' اپنے گھر گئی ہو گی۔ جاؤ اپنی راہ لو۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ اس گستاخانہ گفتگو کی پاداش میں میرے خدمت گاروں کی موٹی موٹی انگلیاں ہوں اور تمھارے نازک کان اور اس ہیئت کذائی سے باہر نکالے جاؤ۔ ہیرا بائی کی تلاش ہے اور اس کے مقیّد ہونے کا شبہ ہے تو جاؤ پولیس میں اطلاع کرو۔ میرا سر نہ کھاؤ۔''

''اطمینان رکھو۔ پولیس بھی کچھ دور نہیں۔ انسپکٹر وقار بھی میرے ساتھ آئے ہیں اور باہر کھڑے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ پولیس کی امداد کی ضرورت پیش نہ آئے۔''

رستم جی کو قدرے تشویش ہوئی۔ کوچ سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا اور دیکھا کہ باغ میں سڑک پر کوئی ٹہل رہا ہے۔

''جاؤ انسپکٹر صاحب کو بُلاؤ۔ آخر چاہتے کیا ہیں؟''

مسعود باہر گیا اور غلام گردش میں وقار حسین سے آہستہ آہستہ چند باتیں کیں اور پھر اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

رستم جی نے بڑے پرتپاک سے پولیس افسر کا استقبال کیا۔

''انسپکٹر صاحب آپ کو کچھ دریافت کرنا تھا تو خود کیوں نہ چلے آئے اس ان حضرات کو بھیج کر میرا وقت کیوں خراب کیا؟''

''سیٹھ صاحب معاف کیجئے۔ یہ حضرت بطور خود آئے ہیں میرے بھیجے ہوئے نہیں آئے۔ ہیرا بائی کہاں ہے؟''

''وہ! یہاں آئی ضرور تھی۔ کھانا کھا کر گھر چلی گئی۔ آپ کو یقین نہیں آتا تو بسم اللہ! مکان موجود ہے۔ تلاشی لے لیجئے۔''

مسعود نے کہا۔

''انسپکٹر صاحب! رستم جی بڑے ساکھ کے آدمی ہیں۔ ان کی بات کا یقین کرنا چاہئے۔ چلئے ہیرا بائی کو کہیں اور تلاش کریں۔''

چلتے وقت مسعود رستم جی کی طرف متوجّہ ہوا۔

''سیٹھ صاحب آپ نے سن لیا ہوگا کہ سانپ نے پھر کاٹنا شروع کر دیا۔ ملکہ کے باغ میں وہ مرہٹہ قتل کیا گیا۔ جس سے باتیں کرنے اور باتوں میں لُبھا کر اس کا راز معلوم کرنے کے لیے آپ نے اپنی دوسری ہمشیرہ چمپا کو باغ میں بھیجا تھا۔ افسوس بے چاری کو اپنی فسوں کاری کا موقع بھی نہ ملا۔ اس کے معطّر کپڑے رنگے ہوئے سہی۔ مگر سرخ گال اور شرمیلی آنکھیں اپنا کان نہ کرنے پائے کہ گو کھلے کو سانپ نے ڈس لیا۔ چمپا کا وار خالی گیا۔

''میں تمہاری بکواس سے کچھ نہیں سمجھا۔ جاؤ اپنی خیر مناؤ۔''

ملازم کو اندر بُلایا اور سنجیدگی کے ساتھ چند ہدایات دیں۔ غلام گردش کا دروازہ زور سے بند ہوا جس سے معلوم ہوا کہ اس کے ناخواندہ اور تکلیف دہ مہمان رخصت ہو گئے۔ مگر ملازم کو ہدایت دینے میں وہ ایسا مشغول تھا کہ کھڑکی کے پاس جا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ دو آدمی باہر گئے یا ایک؟''

رستم جی ملازم کو ہدایات دے کر کچھ دیر ٹہلتا رہا۔ گھڑی پر نظر ڈالی اور کمرے کے باہر گیا۔ غلام گردش کا دروازہ اندر سے بند کیا اور زینہ چڑھ کر سونے کمرے میں تبدیل لباس کے لیے داخل ہوا۔ پلنگ کے قریب چھوٹی سی میز سے ٹیلی فون کا آلہ ہاتھ میں لیا اور مرزا بلگرامی سے باتیں فرنے لگا۔

'' مرزا صاحب ......آپ تنہا ہیں ......کوئی آپ کے پاس نہیں ہے......معاملہ نازک نظر آتا ہے...... گوکھلے کا اس قدر جلد مر جانا سمجھ میں نہیں آتا......کاش آپ مجھ سے اس کا ذکر کرتے......یہ صحیح ہے کہ اس کا خدائی فوجداروں سے ملنا خطرے سے خالی نہ تھا......مگر اس کی موت نے انھیں اور بھی تیز کر دیا ہے......ابھی مسعود اور انسپکٹر وقار حسین ہیرا بائی کی تلاش میں یہاں آئے تھے ......آپ اس کا بندوبست کرسکیں تو بہتر ہے ...... مناسب ہے...... بہت بہت شکریہ!...... بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔''

ابھی ٹیلی فون کا آلہ ہاتھ سے رکھنے بھی نہ پایا تھا کہ کسی نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور پتلی پتلی انگلیاں گردن میں گُھسنا شروع ہوئیں ۔ جیب کی طرف پستول کے لیے ہاتھ بڑھایا ،مگر آنِ واحد میں اپنے آپ کو فرش پر چِت پڑا پایا۔ مسعود جسے سمجھا تھا کہ باہر چلا گیا ہے اور جس کے قتل کے متعلق اپنے دوست سے ٹیلی فون پر اس سرگرمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ گردن کی گرفت ڈھیلی کر اور ہنس کر کہا۔

''سیٹھ صاحب! تھوڑی دیر کے لیے مسعود کی جان کی فکر نہ کیجئے۔ بلکہ اپنی خیر منائیے۔''

''یاد رکھو اس گستاخی اور شرارت کا تم سے بدلہ نہ لیا تو میرا نام رستم جی نہیں۔''

''اس گستاخی کا مجھے افسوس ہے لیکن اس کے ذمّہ دار آپ خود ہیں ۔ سیدھی طرح سے

بتا دیتے کہ ہیرا بائی کہاں ہے تو یہ نوبت کیوں آتی ۔ خیریت اسی میں ہے کہ اب بھی بتا دو۔''

''مجھے نہیں معلوم ہیرا بائی کہاں ہے۔ جاؤ یہاں سے دور ہو۔''

مسعود کا چہرہ غصّہ سے تمتمانے لگا۔ اس نے جیب سے ایک جوڑی ہتھکڑی نکال کر اس کے ہاتھ میں بھر دی' منہ میں رومال ٹھونس دیا۔ تیزی سے کھڑا ہوا اور رستم جی کو اس کے پلنگ پر لٹا دیا۔ جیب سے سُتلی کا ایک گولہ نکال کر ہاتھ پاؤں پلنگ سے باندھ دیئے ۔ منہ کا کپڑا کسی قدر کھسکا تو پوچھا۔

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''کچھ زیادہ نہیں ۔ صرف وہی عمل تمھارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے گُرگوں نے گو کھلے کا راز دریافت کرنے کے لیے اس غریب کے ساتھ کیا تھا۔''

جیب سے ایک نقرئی ڈبیہ نکالی جو کھٹکا دبانے سے کُھل گئی۔ اس کے ساتھ ہلکے نیلے رنگ کو لَو مشتعل ہوئی۔ مسعود نے میز سے ایک چھوٹی قینچی اُٹھائی اور اس کا پھل گرم کرنا شروع کر دیا۔

''سچ ہے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ جو لوگ دوسروں کے راز معلوم کرنے کے لئے لوہے کی گرم سلاخوں سے داغتے ہیں ۔ اس سے کوئی بات دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے!''
قینچی کا پھل خوب سرخ ہوگیا تو پلنگ کے پاس آیا۔ رستم جی کا ہاتھ اوپر اُٹھانا تھا کہ وہ سر سے پیر تک کانپنے لگا۔ تمام بدن پر پسینہ آ گیا اور گھبرا کر بولا۔

''خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔ ہیرا بائی کملا کے ساتھ تھیٹر گئی ہے۔''

''لیکن میں باہر سڑک پر بہت دیر سے ٹہل رہا تھا۔ اس طرف سے کوئی نہیں گیا۔''

''وہ پشت کے دروازے سے گئی ہے۔''

''اس کے یہاں سے بھیجنے کا مطلب؟''

''آج شام کو کچھ لوگ یہاں آنے والے تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ ہیرا بائی کی موجودگی میں یہ مجمع ہو۔''

''واپس کس وقت آئے گی؟''

''کبھی نہیں۔ میں خود بارہ بجے تھیٹر جاؤں گا۔''

''سنتا ہوں کہ تمھارے گُرگے سب دہلی میں جمع کیے گئے ہیں۔ کس لئے؟''

''یہ سچ ہے تو میاں صاحبزادے اپنی خیر مناؤ۔''

مسعود کو دوسرے لوگوں کے اندازِ گفتگو اور بشرے سے یہ معلوم کرنے کی مہارت حاصل تھی کہ بیان سچ ہے یا غلط' اسے معلوم ہو گیا کہ رستم جی سچ کہہ رہا ہے قینچی کو آتشدان میں پھینکا۔ سگار جلانے کی ڈبیا بند کر کے جیب میں رکھی۔ اور سیٹی بجاتا ہوا باہر چلا گیا۔

☆☆☆

باب ۱۰

حَسن بن سباح

ناظرین مرزا بلگرامی کو کام کرتے ہوئے چاندنی چوک کے دفتر میں دیکھ چکے ہیں۔ باوجود پرانی وضع قطع کے مرزاصاحب اپنے وقت کے پابند اور دُھن کے پکّے ہیں۔ ان کا معمول ہے کہ چراغ جلے تک دفتر میں کام کرتے ہیں اور شام کو اپنے مکان واقع دریا باد چلے جاتے ہیں۔ مرزا صاحب نے مکان بھی اپنی جدّطبع سے نئ وضع کی کوٹھی بنائی گئ تھی ۔جس کا طرز نہ پرانا تھانہ نیا' چاروں گوشوں پر کوٹھریاں تھیں ۔جن پر بجائے گنبد کے سپاٹ چھت کے قلعے کی ایسی برجیاں بنائی گئ تھیں۔ احاطہ کافی بڑا تھا جو اونچی دیوار سے محصور کیا گیا تھا۔ پرانے مکان کے کھنڈرکاایک حصّہ احاطے کے گوشے میں موجودتھا۔

یوں تو مرزا صاحب کے مریدوں میں بہت لوگ تھے ۔لیکن ان میں سے دو ایسے جو ہر وقت مرزا کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ یہ امتیاز ان دونوں آدمیوں کو حاصل تھا کہ وہ مرزا صاحب کی کوٹھی کے بالائی حصے پر دوکوٹھریوں میں رہتے تھے ۔ باہرکم نکلتے تھے اورلوگوں کا خیال تھا کہ ہر وقت عبادت' وظیفہ اور مرزا صاحب کی خدمت کے سوا اور کسی بات سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ ان میں ایک بنگالی تھا دوسرا سندھی' مرزا کو ان کی وفاداری اور کارگذاری پر بڑا بھروسہ تھا۔مگر دہلی میں دو تین آدمی ایسے بھی تھے۔ جو مرزا کے ان دونوں فدائیوں کی رَگ و ریشہ سے واقف تھے ۔خدائی فوجداروں نے مرزا بلگرامی کی دیکھ بھال شروع کی تو اس کے فدائی ان کی توجّہ سے کب بچ سکتے تھے انھیں معلوم ہوا کہ بنگالی جس کا نام مولا تھا۔ آسام کے

کسی جیل خانے میں قتل کے الزام میں قید تھا اور موقع پا کر بھاگ نکلا مدتوں قانون کے پنجے سے بچنے کی کوشش میں فقیر کے بھیس میں گھومتا رہا اور جب مرزا کو اس کی اصلیت کا پتہ چل گیا تو اسے اپنے غول میں شامل کر لیا۔اسی طرح سندھی جو بندو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کراچی اور لاہور کے بڑے بڑے جرائم میں شریک رہا اور پولیس کی گرفت سے بچنے کے لئے اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ مرزا کے مریدوں کے زمرہ میں شامل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی جو مرزا کے ذرا سے اشارے پر تمام عمر جیل خانے میں سڑا کریں۔ مرزا کی ہر بات کو بِلا چُوں و چَرا مانتے تھے ۔ اور اس کے اشارے پر کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دریا باد کے مزار پر کوئی عورت زیارت کو آئی ۔ بندو وہاں موجود تھا۔ تنہائی دیکھ کر عورت کو ستانا چاہا۔ عورت نے شور مچایا۔ بندو وہاں سے غائب ہو گیا اور پولیس کی تلاش سے بھی نہ ملا۔

لیکن خدائی فوجداروں میں سے ایک نے اسے ڈھونڈ نکالا ۔مسعود نے رات کے وقت مزار کے قریب اسے ٹہلتا پایا۔ پکڑ کر ٹھیک اس جگہ جہاں عورت پر حملہ کرنا چاہا تھا ۔ ایک درخت سے باندھ کر خوب کوڑے لگائے جس سے اس کی پشت لہولہان ہو گئی۔ صبح کو پولیس نے اسے درخت سے کھولا مگر اس شرعی سزائے تازیانہ دینے والے کا پتہ نہ چلا۔

مرزا صاحب دفتر سے چراغ جَلے مکان پہنچے کچھ دیر چہل قدمی کی اور تخت پر گاؤ تکیہ لگا کر دراز ہو گئے ۔ نظام الملک کی کتاب تاریخِ بغداد کا مطالعہ کرنے لگے ۔اپنی کامیابی پر مرزا صاحب بہت نازاں تھے۔ کچھ عرصے سے کاروبار کی کساد بازاری سے جو الجھن طبیعت میں رہتی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ ہیرا بائی مل گئی تھی اور اس کے ذریعے جس بے اندازہ دولت کے ملنے کا یقین تھا۔ اس نے مرزا صاحب کو بہت کچھ مسرور کر رکھا تھا۔ تاریخِ بغداد میں حَسن بن سباح کا نام دیکھ کر کتاب کو ہاتھ سے رکھ دیا اور تاریخ کے اس عجیب و غریب آدمی کے حالاتِ زندگی پر تبصرہ کرنے لگے۔ داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دل میں کہنے لگے۔

’’بے شک حَسن بن سباح اپنے وقت کا عجیب شخص تھا۔ جس کے خوف سے ممالک کے تاجدار، بڑے بڑے مدبّر اور جیّد عالم، سب کانپتے تھے۔ اس کے فدائی واقعی بہت پختہ اور وفادار تھے ۔لیکن چُھری سے قتل کرنے کا طریقہ بہت بھونڈا اور وحشیانہ تھا۔ آج وہ زندہ ہوتا

اور میرے طرزِ عمل کو دیکھتا تو ضرور میرے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا۔ اس لحاظ سے مجھے شیخ الجبل پر بڑی فوقیت ہے، میرے مقابلے میں حَسن بن سباح طفل دبستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ حَسن بن سباح نے اپنے فدائیوں پر تسلّط حاصل کرنے کے لیے کیا کیا پاکھنڈ پھیلا رکھے تھے ایک مصنوعی بہشت بھی بنائی تھی جہاں خوبصورت اور نوجوان عورتوں کو حوروں کے ل لباس میں رکھتا تھا اور ان کے عشّاق کو اس مصنوعی بہشت میں ان کے نظارے سے متوحّش کرتا اور ان سے ملاقات کے وعدے پر اپنے فدائیوں کے زمرے میں شامل کرتا تھا۔ لیکن میرے فدائی اور شاگرد کارگزاری کے لحاظ سے شیخ الجبل کے فدائیوں سے کسی طرح کم نہیں۔ میرے اشارے پر کٹھ پتلی کی طرح کام کرتے ہیں اور بڑی خوبصورتی سے لوگوں کو اس دنیائے فانی کے علائق سے آزاد کر دیتے ہیں۔ میں نہ حوروں کی ملاقات کا سبز باغ دکھاتا ہوں نہ ان کی عاقبت درست کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ انسان کا دماغ بھی عجیب چیز ہے۔ میں اپنی دماغی فوقیت کی بدولت با آسانی لوگوں کو مسحور کر لیتا ہوں اور جو چاہتا ہوں کام لیتا ہوں۔ کچھ دنوں بعد جب موجودہ زمانے کی تاریخ لکھی جائے گی تو میرا نام حَسن بن سباح کے مقابلے میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ مرزا نے اپنے خیالی گھوڑے کی باگ کو یکا یک روکا اور ٹیلی فون کا آلہ ہاتھ میں لے کر رستم جی کی گفتگو سننے لگا۔ پیشانی پر بَل پڑے اور جبڑا سخت ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور مرزا نے کوئی اہم کاروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ٹیلی فون کا آلہ ہاتھ سے رکھا۔ کرسی پر بیٹھ کر گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا سندھی فدائی بندو کمرے میں داخل ہوا۔ سلام کیا اور ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ مرزا کے اشارہ کرنے پر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

''بندو آج تم بمبئی کے سیٹھ کا بھیس بدل کر سنگم تھیٹر جاؤ گے۔''

''بسر و چشم!''

''جاؤ اور جلد کپڑے پہن کر یہاں آؤ۔''

مرزا صاحب ٹہلنے لگے۔ کئی بار داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ذہن میں حَسن بن سباح کے

فدائیوں اوراپنے مریدوں کی کارگزاریوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

دروازہ کُھلا اور بمبئی کا ایک سیٹھ کمرے میں داخل ہوا۔ پارسی وضع کی سیاہ ٹوپی' بند گلے کا کالا کوٹ' سفید پاجامہ' غرضیکہ ہر چیز سے کاروباری سیٹھ معلوم ہوتا تھا۔ مرزا مسکرایا اور بندو کو سر سے پیر تک بغور دیکھا۔

''بندو تمہارا لباس درست ہے۔ لیکن سامنے چھوٹی جیب میں ریشمی رومال کا زیادہ حصّہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ مالدار آدمی اپنے ریشمی رومال کی اس طرح نمائش نہیں کیا کرتے ۔ اسے نکال کر لمبی جیب میں رکھو ۔ تمھاری قمیص کے بٹن بہت سستے اور چمکدار ہیں ان کے بجائے سونے کے ملمّع کے بٹن لگاؤ موچھیں زیادہ لمبی ہیں۔ آج کل کے فیشن کے مطابق چھوٹی اور ہلکی مونچھیں لگاؤ۔''

''بہت بہتر۔'' کہہ کر بندو پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔''

لڑکپن میں بندو تھیٹر کا بہت شوقین تھا۔ مدّتوں تھیٹر میں ملازمت کی اور بھیس بدلنے میں کمال پیدا کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں اپنے پیرو مرشد کی ہدایات کے مطابق دوسری موچھیں اور بٹن لگا کر واپس آیا۔ مرزا نے نظر پسندیدگی سے بندو کو دیکھا اور کہا۔

''اب ٹھیک ہے۔ شاباش تمہارا بھیس بہت اچھا ہے۔''

بندو نے جھک کے سلام کیا ۔ مرزا صاحب نے میز کی دراز کھولی اور چند نوٹ نکال کے بندو کو دیئے۔

''انھیں اپنے پاس رکھو کام آئیں گے۔''

بندو نے پھر فرشی سلام کیا۔

بندو! غور سے سنو آج میں تمہیں ایک اہم کام پر مامور کرتا ہوں ۔ کیا تم اس آدمی سے بدلہ لینا چاہتے ہو جس نے تمہیں ایک رات کو مزار شریف میں درخت سے باندھ کو کوڑے مارے تھے؟''

بے شک ! وہ بد ذات مجھے ملے تو کچّا کھا جاؤں۔ اف! اس رات کی تکلیف کبھی نہ بُھولوں گا۔''

''علاوہ اپنا بدلہ لینے کے تم مجھے خوش کرو گے۔ مسعود شخص ہے۔ جس نے میرے بھائی کو پستول کا نشانہ بنایا اور مجھے اس تاریک دنیا میں ہمیشہ کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ مسعود کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے اور آج تمھارے ہاتھ سے اس کا کام تمام ہونا ضروری ہے۔ وہ تمھاری گزشتہ زندگی سے واقف ہو گیا ہے اور جس دن بھی چاہے تمہیں گرفتار کرا دے گا۔ تم قتل کے اشتہاری مجرم ہو۔ اسے خوب یاد رکھو سولی پر لٹکنا نہیں چاہتے تو آج اپنی کارگزاری سے مجھے خوش کرو۔''

'' لیکن حضور میں تو عرصہ ہوا قتل کرنے سے توبہ کر چکا ہوں اور حضور کی خدمت میں پڑا ہوا اپنا وقت عبادت میں گزار رہا ہوں۔''

''تم بڑے ناسمجھ ہو۔ یہ قتل کب ہو۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا بڑا انتقام لینے والے ہے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا ۔ اس سے انتقام لینا ضروری تھا۔ خدا نے موسیٰ کے ہاتھ سے انتقام لیا اور اسے غرق کر دیا۔ نمرود کو بھی خدا نے اسی طرح اس کے غرور کی سزا دی۔ ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ انتقام لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ میں معاملات کے مذہبی پہلو سے بخوبی واقف ہوں ۔ اگر کوئی بات خلاف مذہب ہوتی تو مجھ جیسا خدا پرست اور متّقی آدمی کبھی تم سے نہ کہتا ۔ مسعود نے تمھارے کوڑے لگائے اس نے میرے معصوم بھائی کو ناحق قتل کیا۔ ایسی حالت میں انتقام لینا بالکل درست اور سراسر جائز ہے۔ اس کے علاوہ اپنے پیر کو خوش کرنا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا عین عبادت ہے۔ میں تمھاری کامیابی کے لیے دعا کروں گا' تم اس خطرناک آدمی کو اپنے اور میرے راستہ سے ہٹا دو گے۔''

بندو پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور جوش میں آ کر بولا۔

''یا حضرت ! میں آپ کو اپنا پیر و مرشد بنا چکا ہوں ۔ مرشد کے حکم کی تعمیل کرنا واجب ہے انتقام کا مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا۔ فرمایئے کیا حکم ہے۔''

مرزا صاحب نے عبا کی لمبی جیب سے ایک خوبصورت سگریٹ کیس نکالا آہستہ سے اسے کھول کر دیکھا ۔ اس میں چار سگریٹ اور ایک سگریٹ پینے کی منہال خاص وضع کی موجود پائی۔ سگریٹ کیس بند کیا اور بندو کی طرف بڑھایا۔

''یہ لو! اور جیب میں حفاظت سے رکھو۔ سنگم تھیٹر جاؤ ۔ وہاں تمہیں رستم جی کی چھوکری کملا بائی کے ساتھ ایک پارسی لڑکی ملے گی۔ تم گجراتی زبان جانتے ہو۔ کملا بائی تمہیں اس لڑکی سے مِلا دے گی۔ اس سے باتیں کرو اور ہر وقت اس کے ساتھ رہو۔ مسعود بھی اس کی تلاش میں وہاں آئے گا موقع پا کر اپنا وار کرو۔''

''اور ہیرا بائی کی نسبت کیا حکم ہے؟''

''تم صرف مسعود پر تعینات کئے جاتے ہو۔ وہاں ہمارے دوسرے دوست آس پاس ہوں گے اور میری ہدایت کے بموجب کام کریں گے۔''

بندو نے سلام کیا اور رخصت ہوا۔

..................☆☆☆..................

باب ۱۱

جب اندھیرا ہوگیا

انقلابِ زمانہ سے دہلی میں طرح طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کی تفریح کے سامان بھی اب وہ نہیں جو بیس پچّیس برس پہلے تھے۔ رقص و سرود کی محفلیں جن سے چاوٗڑی کی بالا خانہ نشیں پریوں کی گرم بازاری ہر محلّے میں رہتی تھی عرصے سے موقوف ہو چکی ہیں۔ نہ کہیں مشاعرہ ہوتا ہے جہاں شعر وسخن کا دلچسپ مشغلہ شہر کے نازک خیال باشندوں کو مشغول رکھتا تھا۔ قصّہ گوٗ جو دہلی کے امراے کو اپنی سحر بیانی سے رات بھر سونے نہ دیتے تھے۔ مدّت ہوئی ختم ہو چکے۔ اب تفریح کے نئے سامان پیدا ہو گئے ہیں۔ جگہ جگہ سینما یا متحرک تصویروں کے تھیٹر قائم ہوئے ہیں جن میں زیادہ تر یورپ اور امریکہ کی ادنیٰ درجہ کی زندگی کے حالات کی نمائش کی جاتی ہے۔ عوام النّاس کا کثیر مجمع سینما میں دیکھ کر دہلی کے وضعدار لوگ جواب بھی خال خال باقی ہیں۔ موجودہ زمانے کی بد مذاقی پر افسوس کرتے ہیں۔ ان کے بعد معمولی تھیٹر ہیں جہاں عام طور پر یورپی ڈراموں کی نقّالی کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی سبق آموز اور اخلاقی تماشے بھی کئے جاتے ہیں۔ بنارسی تھیٹر دہلی کی بہترین تفریح گاہ ہے' اپنی جدید عمارت اور ساز و سامان کے لحاظ سے بمبئی اور کلکتہ کے تھیٹروں سے کسی طرح کم نہیں۔ صدر دروازہ چاندنی چوک کے وسط میں ہے۔ پشت کی جانب اصل عمارت سے ملا ہوا وسیع صحن ہے جس میں جا بجا خوشنما پودوں کے گملے رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی آڑ میں ہر طرف چائے اور قہوہ پینے کے لیے چھوٹی میزیں رکھی ہیں۔ جن کے اِرد گِرد آرام دہ کرسیاں اور مونڈھے پڑے ہوئے ہیں تماشے کے وقفوں کے درمیان درجۂ خاص کے تماشائی یہاں آ بیٹھتے ہیں' صحن کے دوسری طرف ایک دہلیز ہے جس کا دروازہ گلی کی طرف کُھلتا ہے مگر عام طور پر بند رہتا ہے۔

اس وقت کملا بائی اور ہیرا بائی تھیٹر پہنچیں۔ تماشہ شروع ہو چکا تھا اور صدر دروازے پر زیادہ مجمع نہیں تھا۔ تماشائی اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے۔لیکن چند لوگ اپنے دوستوں کے انتظار میں یا سگریٹ اور چرس پینے کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں دو آدمی لڑکیوں کو آتا دیکھ کر آگے بڑھے۔ ایک بمبئی کا سیٹھ تھا' دوسرا پنجابی معلوم ہوتا تھا۔ کملا بائی نے بڑے تپاک سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ہیرا بائی سے تعارف کرایا۔

''ہیرا بائی! میں آپ کو سیٹھ پالن جی سے مِلاتی ہوں۔ آپ بمبئی کے بڑے ساہوکار ہیں۔ جوہرات کی تجارت بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ آپ کے یہاں ملک بھر کے بہترین موتی موجود ہیں آپ کے پاس ہے۔''

''بائی جی میرے موتیوں کی نسبت آپ جو چاہے کہیں ۔لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت بہترین ہیرا آپ کے پاس ہے۔''

''یہ ہیرا بائی کی طرف اشارہ تھا جسے سن کر ہیرا بائی جو ایسی بے باکانہ باتیں سننے کی عادی نہ تھی جھجکی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کملا بائی نے قہقہہ لگایا' اور ہیرا بائی کو آگے بڑھا کر بولی۔

''کیوں نہ ہو جواہرات کی قدر آپ جیسے جوہری خوب کر سکتے ہیں۔ آیئے اندر چلیں۔''

پالن جی اور ہیرا بائی کو آگے بڑھا کے کملا بائی نے اپنی رفتار سست کی اور جب کچھ فاصلہ ہو گیا تو پالن جی کے دوسرے ساتھی اسماعیل سے جو رستم جی کر گروہ کا سرگرم ممبر تھا ۔ آہستہ سے پوچھا۔

اسماعیل سچ بتاؤ۔ کیا معاملہ ہے ابھی تک تو ہمارے جال میں مرد پھنسائے جاتے تھے ۔لیکن ہیرا بائی کو کس لئے یہاں بُلایا گیا ہے؟''

اسماعیل نے کملا بائی کا ہاتھ دبایا اور کہا۔

''مجھے زیادہ نہیں معلوم' صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے گروہ کے سب آدمی یکا یک یہاں بلائے گئے ہیں۔ سب آس پاس ہوں گے یا آتے ہوں گے ۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے؟''

''بندو جیسے شُہدے کو سیٹھ پالن جی کے بھیس میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہیرا بائی

کو کوئی نقصان پہنچے۔''

''چپ رہو۔ تمہیں اس سے کیا مطلب......اپنے سردار کا حکم ماننا ضروری ہے۔''

درجۂ خاص میں ایک آرام دہ کوچ پہلے سے مخصوص تھی دونوں آدمی اور لڑکیاں تماشہ دیکھنے لگے۔ تماشائیوں کی کثرت تھی۔ پہلا ایکٹ ختم ہوا پردہ گرتے ہی کملا بائی نے کہا۔

''اُف! کس قدر گرمی ہے۔ چلو باہر چلیں۔''

دونوں لڑکیوں نے صحن کی طرف رخ کیا۔ پالن جی ساتھ گئے۔ ایک بڑے گملے کی آڑ میں دہلیز کے قریب جہاں پشت کا دروازہ تھا۔ پالن جی نے ایک میز پسند کی اور اس کے گرد بیٹھ گئے' خدمت گار کو اشارے سے بلایا اور بالائی کی برف لانے کی فرمائش کی۔ خدمت گار ابھی آنے نہ پایا تھا کہ کملا بائی نے کہا۔

''میں اپنا دستی بیگ کوچ میں بھول آئی ہوں۔ معاف کیجئے گا ابھی آتی ہوں۔'' اور وہ تھیٹر کی طرف دوڑتی ہوئی گئی!

ہیرا بائی پالن جی کے ساتھ اپنے آپ کو تنہا پاکے کسی قدر گھبرائی۔ لیکن خدمت گار برف کی پلیٹیں لے کر آگیا اور میز پر سامنے رکھ دیں۔ خدمت گار کسی اور طرف بڑھا۔ پالن جی تماشے کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ ابھی ہیرا بائی نے برف کی پلیٹ اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ غالبًا کملا بائی کے آنے کے انتظار کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں تھیٹر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پالن جی نے اپنی واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا چٹکی میں کوئی سفید سفوف لے کر برف کی پلیٹ پر چھڑک دیا۔

''آپ کی برف پگھلی جاتی ہے۔ لیجئے کھائیے' میں ابھی کملا بائی کو بُلائے لاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ پلیٹ جس میں سفوف ڈال چکا تھا لڑکی کی طرف بڑھائی۔

ہیرا بائی نے شکریہ ادا کیا اور چمچے سے برف کھانے لگی۔ دو چمچے برف کھائی تھی کہ منہ بنا کر پلیٹ رکھ دی۔

''بڑی بدمزہ اور کس قدر کڑوی ہے۔''

شاید خوشبو کی آمیزش سے مزہ بدل گیا ہے۔ وہ پلیٹ پسند نہ ہو تو لیجئے یہ موجود ہے۔ یہ

شربت کی قلفی ہے یا کہئے تو لیمنڈ منگاؤں۔''

ہیرا بائی نے گردن کے اشارے سے انکار کیا۔ ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا جو پسینہ سے تر تھی اور درد سر سے کی شکایت کی۔ خدمت گار پلیٹیں اٹھانے آگے بڑھا۔ پالن جی نے دس کا نوٹ اس ک حوالے کیا اور کہا کہ جلدی بِل لے آؤ۔ جیب سے سونے کا سگریٹ کیس جو مرزا بلگرامی نے چلتے وقت دیا تھا نکالا۔ دائیں بائیں نظر ڈال کر سگریٹ کیس کھولا۔ سیاہ منہال میں ایک سگریٹ احتیاط سے رکھا مگر سلگایا نہیں البتہ منہال کو احتیاط کے ساتھ ہونٹوں میں دبایا۔ خدمت گار بِل اور خوردہ لے کر آیا۔ لیکن خوردہ دینے بھی نہ پایا تھا کہ ہیرا بائی پر غشی کا عالم طاری ہونے لگا۔ پالن جی نے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کیا۔ خدمت گار سے کہا۔ دروازہ کھولے' بائی جی کی طبیعت اچھی نہیں ہے اور پشت کے دروازے کی طرف جو گلی کی میں کھلتا تھا لے چلا۔ خدمت گار نے دروازہ کھولا۔ دوسری طرف ایک نوجوان کو کھڑا پایا۔ پالن جی کی نظر مسعود پر پڑی تو اس کی آنکھیں غصّہ اور نفرت سے چمکنے لگیں۔ انتقام کا اس سے اچھا موقع اور کیا ہوسکتا ہے اس نے سگریٹ کی منہال کو دانتوں سے دبایا۔ ناک سے سانس لے کر اپنے کلّے پُھلائے اور وار کیا۔ لیکن عین اس وقت بجلی کی روشنی یکا یک گل ہوگئی۔ پالن جی نے آنِ واحد میں خود کو زمین پر پڑا پایا۔ روشنی کے غائب ہو جانے سے تمام تھیٹر اور صحن میں ہلچل مچ گئی۔ تھیٹر کا منیجر اور ملازم اور افسرانِ پولیس دوڑتے ہوئے اس طرف آئے ایک آدمی نے سوئچ بورڈ جہاں سے بجلی کی روشنی کا سلسلہ شروع ہوتا تھا ٹٹولا اور دستہ پکڑ کر کھینچا' روشنی پھر ہوگئی۔ بینڈ زور سے بجنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں وہاں نہ ہیرا بائی کا پتہ تھا نہ مسعود اور نہ پالن جی کا!...... تماشائی جو پالن جی کی میز کے قریب بیٹھے تھے اور جنہوں نے ہیرا بائی کو اس کے ساتھ دروازہ کی طرف جاتے دیکھا تھا سخت تعجب میں تھے۔ انھوں نے دھاکے اور کسی کے گرنے کی آواز ضرور سُنی تھی۔ مگر یہ نہ بتا سکے کہ لڑکی کہاں غائب ہوگئی۔ وقار حسین اور اس کے دو ماتحت افسر جو تبدیل لباس میں موجود تھے اور بندو کی گرفتاری کی فکر میں تھے خدمت گار سے پوچھنے لگے۔ اس نے سب واقعہ بیان کیا اور اسی کے ساتھ اس نوجوان آدمی کا حلیہ بھی بیان کیا جو دروازے کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ وقار حسین نے سمجھا کہ یہ مسعود تھا۔ پشت کی دہلیز میں

داخل ہوئے تو دروازہ کُھلا پایا اور اس کی سمجھ میں آ گیا کہ ہیرا بائی اسی راستہ سے غائب ہوئی ہے۔ پہرے کے کانسٹیبل سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ روشنی گل ہونے سے پہلے ایک موٹر دروازے کے مقابل آ کر ٹھہری ۔لیکن جس وقت برقی روشنی غائب ہوئی تو اندھیرا ہو گیا اور موٹر تیزی کے ساتھ چاندنی چَوک کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

باب ۱۲

میں کہاں ہوں

انسپکٹر وقار حسین نے ماتحت افسر کو جلد جلد احکام دیئے۔

''اپنے سب آدمی تھیٹر کے گرد وپیش سے ہٹالو۔ اگر میرا قیاس صحیح ہے کہ دہلیز میں جو آدمی چُھپا ہوا تھا۔ وہ مسعود تھا تو ہیرا بائی بالکل محفوظ ہے۔ بندو کا فرار ہو جانا البتّہ قابلِ افسوس ہے۔''

ایک اردلی کو ساتھ لے کر وقار حسین محلّہ بلی ماران کی طرف روانہ ہوا۔ آج رات کی ناکامیابی سے اس کے استقلال اورارادے کی زیادہ پختگی ہو گئی تھی، اسے احساس تھا کہ مرزا بلگرامی کے تمام گروہ کا ہیرا بائی کو اڑا لے جانے کی کوشش میں مصروف ہونا، کسی عورت کو بھگا لے جانے کے لیے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کی آڑ میں کوئی بڑا راز پوشیدہ ہے۔ جس کا معلوم کرنا بحثیت پولیس افسر کے اس کا فرض ہے۔ گوکھلے کا قتل اس سرعت کے ساتھ ہونا کسی اہم معاملے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گوکھلے ہیرا بائی کی تلاش میں دہلی آتا ہے اور قتل کردیا جاتا ہے۔ وہ امداد کے لیے پولیس کے پاس نہیں آتا بلکہ خدائی فوجداروں سے رجوع کرتا ہے۔ جس سے معاملے کی سنجیدگی اور اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ اسے یہ بھی تعجب تھا کہ بنارسی داس جیسا آدمی گوکھلے سے کیا تعلّق رکھ سکتا ہے ہوٹل سے روانگی کے وقت اس نے لالہ جی کو کلرک سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ شاید مسعود اور مہراب جنگ سے کچھ حال معلوم کر سکے۔ اتنے میں مہراب جنگ کا مکان آگیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کُھلی ہوئی تھی اور روشنی ہورہی تھی۔ کُنڈی کھٹ کھٹائی فوراً لوک بہادر نے دروازہ کھولا۔

''کنور صاحب اور مسعود ہیں؟'' میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔

''تھوڑی دیر ہوئی یہاں آئے ضرور تھے' مگر پھر چلے گئے بہت پریشان اور پژمردہ معلوم ہوتے تھے۔''

''لیکن ان کے کمرے میں روشنی کیسی ہے؟''

''کنور صاحب کل باہر جانے والے ہیں ۔ میں ان کا سامان درست کر رہا ہوں۔ آیئے تشریف رکھئے اوران کی واپسی کا انتظار کیجئے۔''

''میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ کنور صاحب سے کہہ دینا کی علی الصّبح آؤں گا۔''

یہ کہہ کر وقار حسین روانہ ہوا۔ لوک بہادر دروازہ بند کر کے اوپر گیا۔ اوّل روشنی گل کی ۔آہستہ سے کھڑکی بند کی اور سب دروازوں پر پردے ڈال دیئے کچھ دیر انتظار کر کے روشنی کر دی۔ کمرہ جگمگانے لگا' بیچ میں ایک کوچ پر ہیرا بائی بے ہوش پڑی تھی۔ مسعود ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر ڈال رہا تھا۔ لوک بہادر نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیز دوا بے ہوشی کی دی گئی ہے کہیں مر نہ جائے۔''

''ممکن ہے لیکن ہیرا بائی جوان اور مضبوط جثہ کی لڑکی ہے۔ مرنے کے قابل نہیں اس نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ یہ مرگئی تو ہمارا انتقام سخت ہوگا۔''

لوک بہادر نے لڑکی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا ۔ پھر نبض دیکھی جو بہت کمزور تھی۔ ''بہتر ہے کہ ڈاکٹر رحمان کو بلایا جائے۔''

اتنے میں ہیرا بائی نے زور سے سانس لیا۔ آنکھوں کی پلکوں کو جنبش ہوئی اور مسعود نے کہا۔

''اب ٹھیک ہے مرے گی نہیں ۔ کل تک سِوا دردِ سر کے اور کوئی اثر بے ہوشی کی دوا کا نہیں رہے گا۔''

جیب سے ایک چھوٹی سی پچکاری جس میں دوا بھری ہوئی تھی نکالی اور اس کے بازو میں سوئی کی نوک ڈال کر دوا کے چند قطرے بدن میں بھردیئے اور گجراتی زبان میں کہا۔

''کھولو' کھولو تو آنکھیاں پیاری۔''

ہیرا بائی نے کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔ قدرے سر اٹھایا اور پوچھا۔

''میں کہاں ہوں؟''

آنکھیں پھر بند کرلیں اور خاموش ہوگئی۔

مسعود نے گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا۔

''اب ہیرا بائی کی جان کو خطرہ نہیں ہے کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔ وقت کم ہے جلدی کرنا چاہئے۔ بلگرامی اور رستم جی کے تمام گُرگے تھیٹر کے آس پاس موجود تھے۔ کوئی دَم میں آئیں گے حملہ یہاں ضرور ہوگا۔''

ایک ہاتھ گردن کے نیچے اور ایک کمر میں ڈال کر لڑکی کو گود میں اُٹھا لیا اور زینہ اُتر کر پشت کی جانب صحن میں پہنچا۔ عین اس وقت ایک موٹر پشت کے دروازے پر آکر رکی۔ آہستہ سو دروازہ کھولا اور شوفر کو بُلا کر چند ہدایات دیں۔ موٹر بظاہر شفاخانے سے منگائی گئی تھی۔ ایک نرس موٹر سے اُتری ام کی مدد سے ہیرا بائی کو موٹر میں لٹایا' نرس نے اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر کے شیشے چڑھائے' فوراً موٹر روانہ ہوگئی۔

مسعود نے کہا۔

''چاندنی چوک اور قلعے کی سڑک سے تیز جاؤ۔''

مسعود ابھی باہر ہی تھا کہ بائیں جانب سے پَیروں کی آہٹ معلوم ہوئی اور ایک بڑی سی اینٹ اس کے کان کہ پاس سے ہو کر گزری اور دیوار میں لگی مسعود اچھل کر صحن میں آیا صحن کے اندر آیا اور دروازہ بند کر لیا۔ تینوں دوستوں کو بڑی فکر تھی کہ بدمعاش کہیں موٹر پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ لیکن اتّفاق سے بلگرامی کے آدمی بائیں طرف سے آئے اور چاندنی چَوک کی سڑک صاف تھی۔ چاندنی چَوک میں پہنچ کر موٹر والے نے تین مرتبہ ہارن بجایا۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ موٹر خطرے کی جگہ سے نکل کر شاہراہ پر آ گئی۔

تینوں دوست بالا خانے پر جمع ہوئے اور معاملے کی سنجیدگی پر گفتگو کرنے لگے۔ یہ ظاہر تھا کہ جس وقت رستم جی کو ہیرا بائی کے چھن جانے کا حال معلوم ہو گا وہ اپنے تمام گروہ کو لے کر بلی ماران آئے گا۔ چنانچہ حملہ شروع بھی ہو گیا تھا اور مسعود کا سر اینٹ سے بال بال بچ

گیا۔ لوک بہادر کی رائے تھی کہ انسپکٹر وقار حسین کو خبر کی جائے تاکہ وہ پولیس کے سپاہی مکان کی حفاظت کے لیے بھیج دے۔ لیکن اس معاملے میں پولیس کی امداد لینا مناسب نہ تھا۔ مسعود کو کچھ خیال آیا اور جلدی سے ٹیلی فون کا آلہ ہاتھ میں لے کر کہا۔

''۵۵۵' افسر خفیہ پولیس سے جلد مِلا دو۔''

جب سلسلہ مل گیا تو کہا۔

''انسپکٹر وقار حسین' کیا آپ ہیں ...... ہم لوگ اس وقت بڑے خطرے میں ہیں ...... مسعود کو بدمعاشوں نے زخمی کر دیا جلد پولیس کی امداد بھیجئے ...... اور ایک ڈاکٹر بھی...... بڑی مہربانی......''

لوک بہادر کو تعجب تھا کہ ابھی تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ پولیس کو خبر نہ ہو اور مسعود اس کے خلاف انسپکٹر وقار حسین سے مدد مانگتا ہے۔ ٹیلی فون کا آلہ رکھ کر مسعود ہنسا اور کہنے لگا۔ ''رستم جی کے آدمی بڑے ہوشیار ہیں۔ انھوں نے ہمارے ٹیلی فون کا سلسلہ صدر دفتر سے منقطع کر کے اپنے تار سے ملا دیا ہے تاکہ جو باتیں ہم کریں وہ لوگ معلوم کر لیں ثبوت چاہیئے تو سنو۔''

اتنے میں کسی نے دروازہ آہستہ سے کھٹ کھٹایا۔ لوک بہادر کھڑکی کی طرف گیا لیکن مسعود نے روک دیا۔

''تم کھڑکی کھول کر سر باہر نکالا اور پستول کی گولی سے تمہارا کام تمام ہوا۔ ٹھہرو میں ایک ترکیب اور کرتا ہوں۔''

وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ الماری سے ایک بڑا سا انار نکالا۔ ہلکی سے بانس کی سیڑھی لگا کر بالا خانے کی چھت پر گیا اور انار میں آگ لگا دی۔ رستم جی کے آدمیوں نے جو مکا ن کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے سمجھا کہ انار پولیس کو بُلانا مقصود ہے سب آدمی منتشر ہو گئے اور تھوڑی دیر میں ایک کانسٹیبل دروازے پر آیا اور زور سے آواز دی۔

''رات کو آتش بازی بغیر اجازت کیوں چھوڑی گئی؟''

مسعود اطمینان سے نیچے اُترا اور دروازہ کھول دیا۔

☆☆☆

باب ۱۳

غلبہ کسے ہوگا

رستم جی رات بھر کا تھکا ماندہ اور اپنی ناکامیابی پر پژمردہ گھر پہنچا۔ دروازہ پر ملازم کو سوتا ہوا پایا، مزاج برہم تھا ہاتھ سے نہیں ٹھوکر مار کر نوکر کو جگایا اور پوچھا۔

’’کوئی رات کو آیا تو نہیں تھا۔‘‘

’’جی ہاں! مرزا صاحب اندر موجود ہیں۔‘‘

رستم جی اوور کوٹ اتار کر ملازم کو دیا اور ملاقات کے کمرے میں جا کر دروازہ بند کرلیا۔

آتش دان کے قریب چھوٹی میز بچھائے مرزا بلگرامی شطرنج کے مہرے بساط پر رکھے ہوئے شطرنج کا کوئی اہم معمہ حل کرنے میں مستغرق تھے۔ آہٹ پا کر چونکے اور رستم جی سے مخاطب ہوکر بولے۔

’’مجھے دربارِ اکبری کے مشہور شاطر عبدالرّحیم خان خاناں اور راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ اتّفاق نہیں ہے کہ پانچ چالوں میں مات نہیں ہوسکتی۔ آؤ اس نقشہ کو دیکھو پانچ نہیں صرف چار چالوں میں مات ہوسکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ مخالف گھوڑا دو ہی چال میں بے کار کر دیا جائے۔‘‘ پھر کرسی سے کھڑا ہوا اور دریافت کیا۔

’’مجھے امید ہے کہ آج رات کا معاملہ بخیر وخوبی انجام پایا اور آپ کامیاب واپس آئے۔

’’مرزا صاحب! مجھے اپنی ناکامیابی پر بے حد افسوس ہے خدائی فوجداروں نے پولیس کو بلا لیا اور ہم ناکامیاب واپس آئے۔ مسعود البتہ زخمی ہوا ہے مگر یہ کافی نہیں ہے۔‘‘

’’تو کہئے۔ جس طرح بندو ناکامیاب رہا۔ آپ کے آدمی بھی، بندو سزا کا مستحق ہے اس

کا وار خالی گیا۔ اس نے بڑی جلدی کی ہمارے آدمی اپنی مقررہ جگہ پر پہنچے بھی نہ تھے۔
’’مرزا صاحب آپ کو معلوم ہے یا نہیں۔ انسپکٹر وقار حسین ایک سندھی افسر کے ساتھ تھیٹر میں موجود تھے ۔معلوم ہوتا ہے کہ بندو کی گرفتاری کی فکر میں تھے۔ اب اس کی خیر نظر نہیں آتی۔

’’مجھے معلوم ہے لیکن جہاں میں نے اس کے چُھپانے کا بندوبست کیا ہے پولیس وہاں پہنچ نہیں سکتی۔‘‘

صبح ہونے والی تھی مرزا نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا ۔ سڑک پر دو آدمیوں کو ایک درخت کے نیچے کھڑا پایا۔

’’معلوم ہوتا ہے کہ پولیس آپ کے مکان کی نگرانی کر رہی ہے۔ یہ تو بتائیں ہیرابائی کہاں ہے۔آج اسے مدرسے میں موسیقی اور مصوّری کا سبق دینا ہے۔‘‘

’’مجھے نہیں معلوم ہیرا بائی کہاں ہے؟ خیال ہوتا ہے کہ میرٹھ اپنی پُھوپھی کے گھر بھیج دی گئی ۔ پولیس اور خدائی فوجدار دونوں اس معاملے میں مل کر کام کر رہے ہیں۔ معمولی تدابیر سے کام نہ چلے گا۔سختی اور جبر ضروری معلوم ہوتا ہے بہر حال جو کچھ ہو ہیرا بائی کو واپس لانے کا میں ذمہ ّلیتا ہوں۔‘‘

’’بہتر ہے۔لیکن بنارسی داس کی دلچسپی اس معاملے میں اہمیت سے خالی نہیں۔ مجھے اب تک معلوم نہ تھا لیکن کل شام کی ڈاک سے جو کاغذات میرے پاس پہنچے ہیں۔ ان سے بخوبی ثابت ہے کہ گوکھلے' بنارسی داس کے مشورے پر ہیرا بائی کی تلاش میں دہلی آیا تھا۔ مہابیر گوکھلے کا راز باوجود جبروسختی کے معلوم نہ کرسکا اور نہ اس کے اسباب میں وہ ضروری کاغذات ملے جو ہماری کامیابی کے لیے ضروری ہیں اس سند کا مِلنا ضروری ہے۔ جس کی رُو سے بھوپال کی سرکار نے دیوان گنج کا جنگل مستاجری میں دیا تھا علاوہ اس کے وہ جگہ بھی معلوم ہونا چاہیے جہاں لال کٹھور واقع ہے اور وہاں تک پہنچنے کی کنجی بھی دستیاب ہونا چاہئے۔ پھر ایک خط بنڈل سے نکالا جس کا مضمون یہ تھا۔

’’تمہارا خط پہنچا۔ اطمینان رکھو۔ معاملہ معلومہ کے متعلّق ایک لفظ بھی کسی سے نہ

کہوں گا' سوائے میرے یہاں تمھارے خطوں کی کوئی نہیں پڑھ سکتا۔معاملہ ایسا اہم ہے کہ تمھیں فوراً ہیرا بائی کی تلاش کرنا چاہیئے۔ پانچ سو روپیہ سرِ دست بھیجتا ہوں ۔ جب دہلی آؤ گے توحسبِ ضرورت روپیہ لے سکتے ہو۔''

بنارسی داس

''اس سے صاف ظاہر کہ بنارسی داس کو گوکھلے کا راز معلوم ہے مجھے یقین ہے کہ اصلی سند اور دیگر کاغذات بھی سیٹھ بنارسی داس کے پاس گوکھلے نے بھیج دیئے ہیں۔''

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ رات کو گوکھلے کی موت کے بعد بنارسی داس اس کی تلاش میں کشمیری ہوٹل گیا تھا۔''

''قبل اس کے کہ پولیس یا بہرام بنارسی داس کی طرف توجّہ کریں۔ ان کاغذات کا مِلنا ضروری ہے سیٹھ جی کے دفتر میں میرا ایک مرید کام کرتا ہے اس سے معلوم ہو ا کہ سیٹھ جی اپنے دفتر میں وہی کاغذ ات رکھتے ہیں۔ جس کا تعلّق کاروبار سے ہو۔ وہ دفتر بہت کم آتے ہیں۔ ان کا منیجر سارے کام کرتا ہے' ان کاغذات کی تلاش گھر پر ہونی چاہیئے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ بنارسی داس یا تو ہمارے قبضے میں آ جائے یا اس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی جائے تم صرف ہیرابائی کوواپس لادو۔ بنارسی داس کامیں ذمّہ لیتاہوں۔''

''لیکن خدائی فوجداروں کی طرف سے بڑااندیشہ ہے۔''

''تم مطمئن رہو۔ مسعود کا خاتمہ تو اب تک ہو گیا ہوتا۔ مگر بندو کا وار خالی گیا بہرام اور اس کے شاگردغیرفانی نہیں ہیں۔ میرے سانپ کی دسترس سے بچ نہیں سکتے۔''

''وہ غیرفانی نہیں تو ہم کہاں ہیں۔سوال یہ ہے کہ غلبہ کس کی قسمت میں ہے۔''

صبح ہونے والی تھی۔ رستم جی سے رخصت ہو کر گھر پہنچا بظاہر پولیس والے ابھی تک بندو کی تلاش میں وہاں نہ پہنچے تھے ۔ احاطے کا پھاٹک بند کیا اور اپنے کمرے میں پہنچ کر بندو کو آواز دی۔

بندو جو رات کے وقت بمبئی کے سیٹھ کے لباس میں تھیٹر گیا تھا۔ اس وقت اپنی اصلی حالت میں ایک کثیف بنیان پہنے اور تہہ بند باندھے اندر آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

''بندو ! رات تم نے بڑی حماقت سے کام لیا۔ وقت سے پہلے تم نے ہیرا بائی کو بے ہوش کر دیا اور مسعود پر تمہارا وار خالی گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری قسمت میں گرفتاری اور پھانسی لکھی ہے۔''

''حضور قصور ہوا۔ معاف کیجئے ۔ اب کی بار ایسی خطا نہ ہوگی ۔ بہت احتیاط سے کا م کروں گا!''

''اپنے کان پکڑواور پچاس دفعہ اُٹھا بیٹھی کرو۔''

بندو نے بِلا چُوں وچَرا معصوم بچّوں کی طرح اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل کی۔

مرزا برابر کے کمرے میں گیا جو مقفّل رہتا تھااور وہاں سے ایک شیشے کی بوتل جس پر سیاہ غلاف چڑھا ہوا تھا' بغل میں دبا کر لایا اور بندو کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ احاطہ کے گوشے میں جہاں پرانی عمارت کا کھنڈر تھا گیا' ایک جگہ مِٹّی کو پَیر سے صاف کیا۔ ایک پَٹ لوہے کا نظر آیا جس میں کڑا لگا ہوا تھا۔ بندو نے کڑا پکڑ کے پَٹ اٹھا لیا تو نیچے اترنے کے لئے زینہ نظر آیا۔ آگے بندو کے بھیجا پھر پَٹ بند کر کے خود اترا۔ دو تین سیڑھیاں اتر کر بجلی کی روشنی کا بٹن دبایا اور زینہ روشن ہو گیا۔ جیب سے کُنجی نکالی اور ایک مضبوط دروازہ کھولا ہے۔ دروازے کے پاس بٹن دبایا تو تہہ خانہ بھی روشنی سے منوّر ہو گیا یہ شاہی وقتوں کا بنا ہوا تہہ خانہ تھا ۔مگر کشادہ اور؟ ضروری سامان سے آراستہ تھا۔

''بندو جان کی خیر مناتے ہوتو خاموشی کے ساتھ یہاں ٹھہروتمھارے کھانے پینے کے لیے سب سامان یہاں موجود ہے۔ آتش دان میں آگ جلاؤ اور کمرے کو گرم رکھو۔ خبردار اس بوتل کو نہ چُھونا۔''

بوتل آتش دان سے کچھ فاصلے پر رکھ دی اور کمرہ بند کر کے باہر آ گیا۔ اپنے نشست کے کمرے میں واپس جا کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چند ملازمانِ پولیس بندو کی تلاش میں آ پہنچے۔

...................☆☆☆...................

باب ۱۴

سانپ کا مالک

ہوٹل میں گوکھلے کا سامان وا سباب کی تلاشی لے کر انسپکٹر وقار حسین واپس جا رہا تھا کہ اس نے بنارسی داس کو ہوٹل کے بابو سے گوکھلے کے متعلّق گفتگو کرتے پایا تھا۔ اسے تعجب ہوا کہ بنارسی داس جیسے آدمی کو معمولی مرہٹے سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ دوسرے دن صبح کو ہوٹل واپس گیا اور بابو سے دریافت کیا۔لیکن کوئی مفید بات معلوم نہ ہوئی اس نے ارادہ کیا کہ براہ راست سیٹھ بنارسی داس سے دریافت کرنا چاہیئے۔راستے میں محلّہ بلی ماران سے گذرا تو خیال ہوکہ خدائی فوجداروں سے ملتا جائے۔

فوراً اِطّلاع ہوئی اور زینہ چڑھ کر اوپر پہنچا ۔ ایک کمرے میں تینوں دوست ناشتے کی میز کے ِگرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے وقار حسین کو بھی مدعو کیا اور ایک پلیٹ ان کے سامنے بڑھائی تینوں باتیں کر رہے تھے ۔ تینوں دوست شبِ گزشتہ کی مصروفیات اور اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھے

انسپکٹر وقار حسین نے کہا۔

’’پولیس نے مرزا بلگرامی کی کوٹھی کا کونہ کونہ تلاش کیا ۔مگر بندو نہ ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے کہیں بھیج دیا ہے۔‘‘

مسعود نے کہا۔

’’بندو مرزا کے مکان سے کہیں زیادہ دور نہیں ہے ۔ میں دن نکلنے سے پہلے وہاں گیا اور احاطے کی دیوار پر چڑھ کر نگرانی کرتا رہا۔ بندو کہیں باہر نہیں گیا ہے وہیں کہیں چُھپا دیا ہے۔‘‘

’’اور مرزا کا دوسرا مرید مولا بخش ملا ‘ یا نہیں؟‘‘

''ہاں وہ موجود تھا۔ برآمدے میں مرزا کے لئے چائے کا پانی گرم کر رہا تھا۔ اس سے کوئی مفید بات معلوم نہ ہوسکی۔''

مسعود نے چائے کی پیالی ہاتھ سے رکھی اور کہا۔

''تو یہ صحیح ہے کہ بندو گرفتار نہ ہو سکا۔ بندو بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ رات اس سے مڈ بھیڑ ہوئی مگر ایک لڑکی بے ہوشی کے عالّم میں میرے ساتھ تھی ۔ میں بندو کی خبر نہ لے سکا۔ ممکن تھا کہ اس کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کل ہو جاتا یعنی یہ کہ میں اسے گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر دیتا۔''

''بے شک مجھے یقین ہے۔''

''لیکن ایسں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سندھی بدمعاش سُولی پر نہ لٹکے گا' اس کا خاتمہ کسی اور طرح پر ہو گا اور یہ کہیے کہ آپ لالہ بنارسی داس سے ملنے کے لئے کب جائیں گے؟''

انسپکٹر چونکا۔

''تم عجیب آدمی ہو یہ تمہیں کیسے معلوم کہ میں لالہ بنارسی داس سے ملنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اس وقت اسی کے پاس جا رہا ہوں۔''

''ضرور جائیے۔ ممکن ہے کہ لالہ بنارسی داس آپ کو مدد دے سکیں۔''

''کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟''

''ابھی ذرا دیر ہوئی، ٹیلی فون پر ان سے باتیں ہوئیں۔ انسپکٹر صاحب آپ ان کی حفاظت کے لیے پولیس کا معقول انتظام کر دیں تو مناسب ہے!''

''یہ کیوں' انھیں کس بات کا خطرہ ہے؟''

''صرف جان کا اندیشہ ہے کہ سانپ ان کی طرف بھی رخ کرے۔ اگر سپیرے کو یہ معلوم ہو گیا کہ بنارسی داس گو کھلے کے راز سے واقف ہے۔''

''تم لوگ معمّوں میں باتیں کیوں کرتے ہو صاف کیوں نہیں بتاتے کہ کیا معاملہ ہے۔ تم اس طرح باتیں کرتے ہو گویا سانپ کی اصلی کیفیت سے واقف ہو اور جب چاہو اسے پکڑ سکتے ہو۔''

''بے شک!''

''یہ صحیح ہے تو بتاؤ سانپ کس کے قابو میں ہے؟''

''مرزا بلگرامی کے!''

انسپکٹر حیرت سے تینوں دوستوں کو دیکھنے لگا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ مرزا بلگرامی جو عوام میں اس قدر عزّت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور حکّام دہلی جس کے اثر سے اکثر کام لیتے ہیں ۔ ایسا خطرناک مجرم ہے۔ اس کے تقدس اور فقیری پر انسپکٹر پولیس کو شک ضرور تھا' لیکن یہ خیال وگمان بھی نہ تھا کہ مرزا ایک خوفناک گروہ کا سردار ہے!

''انسپکٹر صاحب' اس میں شک کرنے کی بات ہی کیا ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ پولیس اس نتیجے پر خود ہی پہنچ گئی ہو گی ثبوت درکار ہے تو ان سب آدمیوں کی طرف خیال کرو۔ جو اَب تک سانپ کا شکار ہو چکے ہیں اوّل دہلی بینک کا ایک بابو مرا۔ اس بینک میں مرزا اپنا روپیہ رکھتا ہے بابو کو معلوم ہو گیا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو روپیہ جمع کیا گیا ہے مرزا اسے اپنے کام میں لاتا تھا۔ اس نے مرزا کو دھمکی دی تھی کہ تبلیغ کے جلسے میں اس کا بھانڈا پھوڑے گا مرزا نے اس بابو کو خطرناک سمجھا اور خاتمہ کر دیا۔

''دوسرا احمد جان جو کسی زمانے میں مرزا کا شریکِ کار تھا۔ پنجاب اور سندھ میں مرزا کی طرف سے کام کرتا تھا۔ مدرسۂ صوفیہ کے لیے اس نے کثیر رقم جمع کی۔ لیکن روپے کی تقسیم پر مرزا سے جھگڑا ہوا ۔ مرزا کے چند خطوط اس کے قبضہ میں تھے اس نے انھیں شائع کرنے کی دھمکی دی۔ شام کے وقت پارک میں گیا خطوط اس کے قبضے میں تھے ۔ گھر واپس نہ آیا اور راستے میں سانپ نے ڈس لیا۔ جب پولیس پہنچی تو خطوط اس کی جیب میں نہ تھے۔

انسپکٹر وقار حسین ۔ ''واقعی تم لوگوں کا طریقۂ تفتیش عجیب و غریب ہے' لیکن یہ تو بتایئے کہ سانپ جیسے کیڑے کو کوئی آدمی کس طرح سدھا سکتا ہے کہ جہاں اور جس وقت کام لینا چاہے' وار خالی نہ جائے ۔ مثلاً گوکھلے کی موت کا خیال کرو ۔ پولیس کانسٹیبل قریب موجود تھا اس کی نگرانی کر رہا تھا سانپ اس کی گردن تک کس طرح پہنچا۔''

خدائی فوجداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور قہقہہ لگایا۔ مسعود نے کہا۔

’’چند روز میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سانپ کس غضب کا ہے‘ اسے نہ انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کا حملہ کوئی روک سکتا ہے۔ ہمیشہ گردن یا منہ پر کاٹتا ہے ۔کل شب کو سانپ میری طرف بھی لپکا ۔لیکن خیریت ہوئی۔ میں ہوشیا ر نہ ہوتا تو آج قبرستان میں آرام سے سوتا ہوتا۔ اگر سانپ نے پھر کبھی میری طرف رخ کیا ۔تو یقین کیجئے کہ آپ کی تمام پولیس اورفوج سانپ کے مالک کی جان نہیں بچاسکتی۔

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور لوک بہادر نیچے گیا۔تھوڑی دیر بعد ایک دراز قد شکیل جوان کے ساتھ واپس آیا اور کہا۔

’’یہ بکرم سنگھ صاحب ہیں۔آپ ان سے مل کرخوش ہوں گے۔‘‘

سب لوگ کھڑے ہوگئے۔بکرم سنگھ نے سلام کیا اور ہاتھ بڑھا کر پوچھا۔

’’کنور مہراب جنگ صاحب کون سے ہیں؟ میں چند منٹ تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

مہراب جنگ نے بکرم سنگھ سے مصافحہ کیا اور کہا۔

’’مہراب جنگ مجھے کہتے ہیں اس کرسی پر تشریف رکھئے ۔ میرے دوست مسعود اور لوک بہادر ہیں اور آپ انسپکٹر وقار حسین ہیں۔جو مجھ پر بڑے مہربان ہیں اس کی موجودگی میں آپ بلا تکّلف باتیں کر سکتے ہیں۔لیکن آپ اوّل ناشتہ میں ہمارے ساتھ شریک ہوں تو بہت خوشی ہوگی۔‘‘

’’بڑی مہربانی ‘ لیکن میں صبح ناشتہ نہیں کرتا۔ البتہ ایک پیالی چائے آپ کے ساتھ پی سکوں گا۔‘‘

و ہ کرسی پر بیٹھ اور لوک بہادر نے چائے کی پیالی بنا کر بکرم سنگھ کے سامنے رکھی ایک گھونٹ پی کر پیالی نیچے رکھی اور کہا۔

’’بڑے مزے کی چائے ہے۔ میں نے مدّت سے ایسی چائے نہیں پی۔ کشمیری چائے کا کیا کہنا ‘آج کل جہاں جاتا ہوں انگریزی وضع کی چائے ملتی ہے ۔جس میں سوائے گرم پانی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔کنور صاحب معاف کیجئے گا کیا خدائی فوجداروں کے سب ممبر یہاں موجود

ہیں؟''

مہراب جنگ مسکرایا۔

''ہم لوگ معمولی آدمی ہیں۔خدائی فوجداروں کا نام آج آپ سے سنا ہے۔''

''تعجب ہے ! تو کیا ایک مرہٹہ گوکھلے نامی آپ کے پاس نہیں' کسی اور سے ملنے آیا تھا۔''

''بے چارہ گوکھلے ہمارے پاس ضرور آیا تھا۔لیکن افسوس ہے کہ قبل اس کے کہ ہم اس کی کچھ مدد کر سکتے۔وہ مر گیا۔''

''یہ مجھے معلوم ہے' میں اسی کی موت کے سلسلہ میں آپ سے ملنے آیا ہوں ۔ کنور صاحب اگر کوئی آپ سے کہے کہ گوکھلے سانپ کے کاٹے سے مرا ہے تو ہرگز یقین نہ کیجئے ۔ مجھے سانپوں کیا بہت تجربہ ہے۔لڑکپن سے میں سانپوں کے ساتھ کھیلتا ہوں۔کئی بار سانپ نے مجھے کاٹا ہے۔مگر ایسا سانپ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا جو اس طرح کاٹے ۔گوکھلے قتل کیا گیا ہے۔ مجھے اس کی موت کا سخت افسوس ہے ۔ مالوہ کے جنگل میں وہ بدمعاش اسے مار ڈالتے ۔اگر میں اتفاقاً وہاں نہ پہنچ جاتا۔میں نے اسے بدمعاشوں کے چنگل سے چُھڑایا۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ بدمعاش گوکھلے کے ساتھ اس بے رحمی کا برتاؤ کیوں کر رہے تھے؟''

''وہ لوگ اس سے ایک تحریر یا خط لینا چاہتے تھے ۔ جو اُس وقت اس کے پاس نہ تھا۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہا۔آپ لوگوں سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا؟''

''مطلق نہیں!اس تحریر میں میں ایسی کیا اہمیت تھی؟''

''مجھے معلوم نہیں' مگر وہ کہتا تھا کہ دہلی کے خدائی فوجداروں سے مدد لے گا' آپ لوگوں پر اسے بڑا بھروسہ تھا اور اسی سے مجھے آپکا نام اور پتہ معلوم ہوا ۔ میں اس کی تلاش میں تھوڑی دیر ہوئی ہوٹل گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر گیا۔ میں فوراً یہاں آیا تاکہ آپ سے ملوں کہ گوکھلے کا قتل کیا گیا ہے۔غریب سانپ کو جو ایسا سیدھا اور شرمیلا بے ضرر کیڑا ہے ناحق بدنام کیا گیا ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجرم کو تلاش کریں اور اس کی موت کا انتقام لیں سانپ کی

معصومیت ثابت کرنے میں یا جس طرح آپ مناسب سمجھیں مجھ سے مدد لیں میں سانپ کی شرافت اور ماہیت سے بخوبی واقف ہوں۔‘‘

یہ کہہ کر آستین اوپر چڑھائی اور کہا۔

یہ دیکھئے ! میری کلائی پر یہ نشان کالے ناگ کے کاٹے کا ہے دوسرا نشان کوڑیالے کا...... تیسرا نشان کرایت کا...... چوتھا اجگر کا...... میرے جسم میں سانپ کا اتنا زہر پہنچ گیا ہے اب کسی زہر کا مطلق اثر ہی نہ ہو گا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس خوفناک سانپ کے پکڑنے اور کچلنے میں آپ مجھ سے مدد لے سکتے ہیں۔‘‘

مسعود نے سنجیدگی سے کہا۔

’’بے شک ! اس معاملے میں آپ کی مدد بہت مفید ثابت ہو گی اور میں خیال کرتا ہوں کہ سانپ کی سرگرمی کا یہی عالم رہا تو یقین کیجئے آج سے ایک ہفتہ کے اندر ہم سب میں سے سوائے کنور بکرم سنگھ کے اور کوئی زندہ نہ رہے گا۔‘‘

اس بیان کو سن کر انسپکٹر وقار حسین جو معمولاً کبھی کسی خطرے سے پریشان نہ ہوتا تھا لرز گیا۔

☆☆☆

باب ۱۵

عجیب خواب

صبح کو ہیرا بائی کی آنکھ کُھلی، کروٹ بدلی، سر اِس قدر بھاری تھ کہ مشکل سے حرکت ہوتی تھی۔ سامنے کھڑکی کُھلی پائی جہاں سے باغ کے درخت نظر آتے تھے۔ مولری کا درخت ویسا ہی تھا۔ جیسے ہر روز دیکھا کرتی تھی۔ دوسری طرف کروٹ بدلی تو دیوار پر ٹیگور کی تصویر پر نظر پڑی۔ یہ تصویر بھی ویسی ہی تھی جیسی اس کے کمرے میں آویزاں ہے۔ سر کو ہاتھ سے دبایا اور ہمت کر کے بیٹھ گئی۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ خود کو اپنی خواب گاہ میں پا کر حیران ہوگئی۔ پھر خیال آیا اور کہنے لگی۔

''اُف! میں کیسی بیوقوف ہوں۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ خواب تھا میں کہیں نہیں گئی تھی اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ مگر کیسا عجیب خواب تھا۔

داڑھی والا، مولوی، راحت منزل کی آرائش، تھیٹر کا سماں اور سیٹھ پالن جی کی خوش طبعی اور بذلہ سنجی کا نقشہ آنِ واحد میں اس کے سامنے آ گیا۔

کسی نے دروازہ کھولا اور اس کی پھوپھی شیریں بائی جس کے چہرے سے حد درجے کی پریشانی کا اظہار ہوتا تھا اندر آئی۔

''مائی جی! میں نے عجیب وغریب خواب دیکھا ہے؟''

شیریں بائی نے ناشتے کی کشتی چھوٹی میز پر رکھی اور ہیرا بائی کو گلے لگایا۔

''مائی جی! بتاؤ مجھے یہاں کون لایا؟''

''تم دو آدمیوں اور ایک نرس کے ساتھ یہاں آئیں۔''

''نرس! یہ کیوں، میں تو اچھی خاصی ہوں۔ نرس کی کیا ضرورت پڑی میں اسپتال تو نہیں

گئی تھی؟''

''بیٹی' شکر کرو ۔ بڑی خیریت ہوئی ۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ دہلی شہر بُری جگہ ہے۔ تمہارا تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ طرس نیچے موجود ہے' اس سے معلوم ہوا کہ محلّہ بلی ماران سے مسعود نے تمہیں اس کی نگرانی میں یہاں بھیجا ہے۔تم بے ہوش تھیں۔''

''مسعود ! خدائی فوجداروں کا ممبر' خدائی فوجدار میرے نگراں ہیں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔''

تم نوجوان اور ناتجربے کار ہو۔ میں سخت پریشان ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے ہم یکا یک کسی خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ علاوہ نرس کے جو دو مرد تمھارے ساتھ آئے تھے ۔ باری باری سے مکان کا پہرہ دے رہے ہیں ۔ وہ دیکھو سامنے پھاٹک پر اُن میں سے ایک آدمی کھڑا ہے۔''

''میں جلد تیار ہو کر نیچے جاتی ہوں خود تمام باتیں اس سے دریافت کروں گی'' ہاتھ منہ دھویا۔ جلدی جلدی ناشتہ کیا۔ چائے کی پیالی پی اور کپڑے بدل کر نیچے اُتری ۔ اتنے میں قیمتی اور بڑی سی موٹر پھاٹک پر رکی ایک معمر آدمی جو وضع قطع سے شریف اور متموّل معلوم ہوتا تھا مکان کی طرف آیا شیریں بائی نے اسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا کچھ دریافت کر کے ملاقات کے کمرے میں آئی......اور ہیرا بائی سے کہا۔

''خدا جانے کیا معاملہ ہے! ایک صاحب لالہ بنارسی داس دہلی سے آئے ہیں اور تم سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتے ہیں۔میری رائے میں مناسب نہیں ہے۔''

''بائی جی آپ اس قدر ڈرتی کیوں ہیں خدائی فوجدار ہمارے نگراں ہیں تو ہمیں ڈر کس بات کا ہے میں ضرور لالہ صاحب سے ملوں گی۔''

''لالہ بنارسی داس کمرے میں داخل ہوئے شیریں بائی کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر گئی۔لالہ صاحب نے سلام کیا اور کہا۔''

''بائی صاحب ! مجھے افسوس ہے میں اس وقت یہاں آیا۔ سُنتا ہوں آپ کی طبیعت ناساز لیکن ایک نہایت ضروری معاملے کی نسبت آپ سے باتیں کرنا ضروری تھا' امید ہے کہ آپ میری جسارت کو معاف کریں گی۔''

’’آپ نے بڑی عنایت کی، تشریف رکھئے اور بتایئے کہ معاملہ کیا ہے؟‘‘

’’معاملہ بہت اہم ہے اور آپ کی ذلت سے تعلّق رکھتا ہے ۔ کیا آپ گوکھلے کو جانتی ہیں؟‘‘

’’نام سنا ضرور ہے۔لیکن یہ یادنہیں کس سلسلے میں؟‘‘

’’گوکھلے کل شام کومر گیا۔‘‘

ہیرابائی چونکی ’’کیاوہ شخص جسے پارک میں سانپ نے کاٹ لیا؟‘‘

’’ہاں، وہی، کیااس نے آپ کوکوئی خط لکھا؟‘‘

جی نہیں، کبھی نہیں۔‘‘

’’آپ کے والد انجینئر تھے؟ کیا آپ ان کے متعلّق کچھ بتا سکتی ہیں۔‘‘

’’جی ہاں! میرے والد انجینئر تھے، شاید ریاست بھوپال میں کام کرتے تھے میں بہت چھوٹی تھی جب ان کا انتقال ہوا۔‘‘

’’کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوتو وہ بھوپال میں کس جگہ تھے اور کیا کام کرتے تھے؟‘‘

’’مجھےٹھیک نہین معلوم، لیکن میری پھوپھی بتا سکتی ہیں۔‘‘

وہ باہر گئی اور چند منٹ کے بعد پھوپھی سے باتیں کر کے واپس آ گئی۔

’’میرے والد ریاست بھوپال میں انجینئر تھے ۔ سرکار عالیہ نے انھیں مستاجری میں بہت گاؤں بھی دیئے تھے۔‘‘

’’کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ یہ گاؤں بھوپال میں کس جگہ واقع ہے؟‘‘

’’ٹھیک تو نہیں معلوم۔ میں وہاں کبھی نہیں گئی لیکن شاید سانچی ٹوپ کے قریب۔‘‘

’’آہا! یہ تو بہت مفید بات ہے کیا آپ کے پاس فارسی زبان کا کوئی فرمان سرکار عالیہ بھوپال کا ان مواضعات کے متعلق موجود ہے؟‘‘

’’جی نہیں! میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ فارسی زبان میں کوئی تحریر ہوتی تو مجھے ضرور یاد ہوتی۔‘‘

''کیا آپ اپنے والد کے متعلق مجھے کچھ بتا سکتی ہیں۔''

''زیادہ حالات تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ سنا تھا کہ وہ شکار کے بڑے شوقین تھے اور اسی خیال سے ایسے مواضعات مستاجری میں حاصل کئے تھے' جہاں بہت جنگل ہے۔ سانچی ٹوپ کے آس پاس پرانے کھنڈر ہیں' ان کے دیکھنے کے لئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور شاید کسی کان کی تلاش میں وہاں گھومتے تھے۔ میرے والد کو ان کی مداخلت پسند نہ تھی۔ انہی لوگوں میں سے میرے والد کو کسی نے مار ڈالا اور مشہور یہ ہوا کہ ہیضہ سے مر گئے۔''

''اس بیان سے معاملہ صاف ہو گیا میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

''لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ معاملہ کیا ہے۔؟ کیا بے چارے گوکھلے کو اس معاملے سے کوئی تعلّق ہے؟''

گوکھلے کل ہی بھوپال سے یہاں آیا تھا۔ اس کی شرافت اور ایمانداری کا مجھے بار بار خیال آتا ہے' کوئی دوسرا ہوتا تو اس راز کی مدد سے جو اس کے قبضہ میں تھا مالا مال ہو جاتا اور آرام سے متموّل آدمیوں کی زندگی بسر کرتا۔ لیکن اس کی ذہانت اس کی موت کا سبب ہوئی۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں صاف کہئے معاملہ کیا ہے؟''

''میں کہنا چاہتا ہوں ۔ لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ بے چارہ گوکھلے اس راز سے واقف تھا اور کل قتل کیا گیا۔ آپ کو حق ہے کہ اس راز سے واقف ہوں اور میں اسی ارادے سے یہاں آیا تھا کہ جو کچھ جانتا ہوں آپ سے کہہ ڈالوں ۔ کیونکہ دراصل اس راز کا تعلق آپ کی ذات سے ہے۔''

گوکھلے کل دہلی اس لئے آیا تھا کہ آپ کو تلاش کرے اور جو کچھ وہ جانتا ہے آپ کو بتا دے اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو۔ مگر اس کی قسمت میں موت تھی۔ یہ بہتر ہو گا کہ اس وقت آپ کو زیادہ زحمت نہ دوں اور گھر جا کر اپنے وکیل کو بُلاؤں اور اس سے معاملے کے ہر پہلو پر گفتگو کرنے کے بعد آپ کو سارے واقعات بذریعہ تحریر بھیج دوں ۔ میں آپ کو نہ ڈرانا چاہتا ہوں اور نہ سرِ دست کوئی امّید دلانا چاہتا ہوں ۔ صِرف اتنا البتّہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ معاملہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچ جائے تو آپ اپنے والد کے ورثے کی مالک بن جائیں گی۔ ہاں یہ تو

کہئے کہ آپ کنور مہراب جنگ کو جانتی ہیں؟''

''کون مہراب جنگ؟ خیالی شہزادہ جو خدائی فوجداروں کا سردار ہے۔''

''کیا آپ انھیں جانتی ہیں اور کبھی ملاقات ہوئی ہے؟''

''جی نہیں، مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔''

''کیا آپ لوک بہادر یا مسعود کو بھی جانتی ہیں؟''

ہیرابائی مسعود کا سن کر چونکی اور قدرے تامّل کے بعد بولی۔

''مجھے ان لوگوں کے ساتھ ذاتی واقفیت نہیں ہے۔ اتنا البتہ سنا ہے کہ یہ لوگ دہلی کے خدائی فوجدار ہیں کیا آپ انھیں جانتی ہیں؟''

''ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ ان کی نسبت طرح طرح کے قصے مشہور ہیں' آج البتّہ مہراب جنگ نے ٹیلی فون پر مجھ سے باتیں کیں مختصر مگر اس سے اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ نہایت زیرک اور چاق و چوبند آدمی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ میں اس معاملے میں ان سے مشورہ کروں۔''

''آپ کی رائے صحیح ہے۔'' ہیرابائی نے جوش سے کہا۔

''لیکن شاید آپ نہیں جانتیں مہراب جنگ ایک زمانے میں نئی وضع کے قزاقوں کا سردار تھا۔ پولیس کو بہت پریشان کیا اب شاید پولیس سے کچھ سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اور وہ بجائے جرائم کرنے کے مجرموں کو خود بھی سزا دیتا ہے۔ جو قانون کی گرفت میں نہیں آتے؟

''لیکن لوگوں سے مشورہ کرنے اور مدد لینے میں کیا مضائقہ ہے؟''

''میں اس پر غور کروں گا۔ آپ اجازت دیں تو میں اب گھر واپس جاؤں کل آپ میرے خط کا انتظار کریں۔''

لالہ بنارسی داس رخصت ہوا۔ عین اس وقت دہلی کے ایک مکان میں مرزا بلگرامی اسے اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر رہا تھا۔ غالبًا اس کی قسمت میں وہی حادثہ تھا۔ جو غریب گوکھلے کو پیش آیا۔ لیکن محلّہ بلی ماران میں مہراب جنگ اور اس کے دوستوں نے خطرے کا احساس کیا اور بنارسی داس کی حفاظت کا ارادہ کرلیا۔

☆☆☆

باب ۱۶

پہلا حملہ

لالہ بنارسی داس کو رخصت کر کے ہیرا بائی واپس ہوئی۔ پھاٹک کے قریب ایک آدمی کو جواس کے ساتھ تھا موجود پا کر دریافت کیا۔

’’کیا تم دن بھر کھڑے یہاں پاسبانی کرتے رہو گے؟‘‘

’’آج شام تک‘اس کے بعد دو اور آدمی لال کُرتی سے آکر ہماری جگہ پہرہ دیں گے۔‘‘

’’تمہیں یہاں کس نے بھیجا اور تمہارا نام کیا ہے؟‘‘

’’مجھے ننھے خاں کہتے ہیں۔ ہمیں کنور مہراب جنگ نے یہاں بھیجا ہے۔‘‘

’’لیکن کیوں؟ کیا کوئی خطرہ ہے۔‘‘

’’یہ مجھے نہیں معلوم لیکن کنور صاحب کی کوئی بات دور اندیشی سے خالی نہیں ہوتی وہ بہتر جانتے ہیں۔‘‘

ہیرا بائی اپنے کمرے میں واپس گئی اور معاملات پر غور کرنے لگی اسے یقین ہو گیا کہ اخبار میں اشتہار اسے دہلی بُلانے کے لیے دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ مرزا بلگرامی کے قبضے میں آجائے ۔ اسے یہ بھی خیال ہوا کہ جس وقت سے وہ بلگرامی بلڈنگ میں داخل ہوئی سخت نگرانی میں رہی۔ باہر گئی تو مرزا بلگرامی سے تھے‘ شام کو کملا بائی اسے اپنے ہاں لے گئی اور برابر ساتھ رہی اور سیٹھ پالن جی کے سپرد کر دیا۔ جس نے برف میں کوئی چیز ملا کر اسے بے ہوش کر دیا۔

بے ہوشی سے کچھ پہلے اس نے تھیٹر کے دروازے پر مسعود کو دیکھا ۔ جو اس کی نگہداشت کر رہا تھا۔ مسعود وہاں نہ آتا تو اس وقت خدا جانے وہ کہاں ہوتی اور اس پر کیا

گزرتی یہ خیال کرکے کانپنے لگی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھا تو ننھّے خان کو پاسبانی پر مستعد پایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی سڑک کی راہ سے آیا۔ لمبا کوٹ اور اُونی ٹوپی پہنے تھا۔ ایک خوانچہ اس کے سر پر تھا جس میں بساط خانے کا معمولی سامان، بٹن، لیس، موتی، مونگا اور صابن وغیرہ تھا۔ پھاٹک کے پھاٹک کے اندر آنا چاہتا تھا کہ پاسبان نے روک دیا۔

''تم مجھے منع کرنے والے کون ہوتے ہو۔ میں مدّت سے اس گھر میں سامان بیچتا ہوں۔ ہٹو اندر جانے دو۔''

''خبردار تم نے احاطے میں قدم رکھا اور میں نے تمھاری گردن ناپی۔''

''کیا تم پولیس کے سپاہی ہو جو اس طرح دھمکاتے ہو؟''

''خواہ میں پولیس کا سپاہی ہوں یا نہ ہوں لیکن تم یہاں نہیں آسکتے۔''

ہیرا بائی اور شیریں برآمدے میں آئیں، بساطی نے سلام کیا۔ لیکن انھوں نے اسے پہچانا نہیں شیریں بائی آگے بڑھی بساطی نے کہا۔

''بائی جی! میں چھوٹی بائی صاحبہ کے لیے نیا سامان لایا ہوں۔ یہ آدمی مجھے نہیں آنے دیتا۔ دیکھئے کیسی عمدہ لیس ساری کے لائق میرے پاس ہے۔''

''جاؤ اپنا راستہ لو۔ ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ یہ بساطی یہاں پہلے کبھی نہیں آیا۔''

بساطی غرایا۔ ''اچھا بائی جی خفا کیوں ہوتی ہو۔ میں کوئی اور گھر دیکھوں گا۔''

یہ کہہ کر بساطی روانہ ہوا۔ پاسبان اسے دیکھتا رہا۔ احاطے کے سِرے پر راستہ کوٹھی کی پشت کی طرف گیا تھا۔ بساطی اس طرف کو ہولیا۔ ننھّے خان کوٹھی کی پشت کی طرف آیا۔ جہاں اس کا دوسرا ساتھی نگہداشت پر موجود تھا۔ بساطی کے متعلق آہستہ آہستہ مشورہ کیا ذرا دیر میں بساطی احاطے کی پشت پر نظر آیا۔ دونوں آدمی ایک درخت کی آڑ میں ہو کر اس کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔ احاطے کی پشت پر مہندی کی باڑ تھی لیکن کئی جگہ اس کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ جہاں کانٹے رکھ دیئے گئے تھے۔

بساطی نے چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف خاموشی پا کر ایک جگہ سے کانٹے ہٹائے۔ اس

وقت اس کا خوانچہ اس کے پاس نہ تھا۔ دوڑتا ہوا احاطے کے اندر آیا اور باغ کے گودام کی کی کوٹھری کی طرف رُخ کیا ۔ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ اس کوٹھری میں باغ میں پانی دینے کا کاپڑ' رسا ' ہل اور کچھ ٹوٹا ہوا سامان' ایک گوشے میں مویشی کے لیے چری کا انبار تھا جس کے پیچھے چُھپ کر بیٹھ گیا۔

ننھّے خان نے اپنے ساتھی سے پھاٹک پر نگہداشت کرنے کے لیے کہا اور خود مالی کی کوٹھری کی طرف چلا۔ کوٹھری کے پَٹ بند تھے مگر اندر کُنڈی نہ تھی۔ دروازہ کھولا اور ہر طرف نظر ڈالی چَری کے انبار میں کچھ آہٹ ہوئی۔ ننھے خان آگے بڑھا اور ڈانٹ کر کہا۔

''نکل باہر ''بدمعاش''

بساطی تیزی کے ساتھ باہر نکلا۔لیکن ہاتھ میں پستول لئے ہوئے جسے ننھے خان کی پیشانی کے سامنے کر کے بولا۔

کہو کیا کہتے ہو؟''تم ذرا ہلے اور تمہارا کام تمام ہوا۔''

ننھے خان نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر پستول نکالنا چاہا۔مگر بساطی نے کہا۔

''خبردار! ہاتھ سر کے اوپر اٹھاؤ ورنہ فائر کرتا ہوں۔''

ننھے خان نے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ بساطی نے پستول اور قریب کیا اور کہا۔

''دونوں ہاتھ مِلا کر آگے بڑھاؤ؟''

آنِ واحد میں ننھے خان کے ہاتھ سُتلی سے باندھ دیئے گئے ۔ بساطی نے ننھے خان کے کوٹ کی جیب سے پستول نکالا اور اپنی جیب میں رکھ لیا اور سُتلی کا ایک گولا نکال کر ننھے خان کے ہاتھ پاؤں مضبوط جکڑ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور ایک گوشے میں دھکیل کر اوپر سے چَری ڈال دی۔

''اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو خاموشی سے یہاں پڑے رہو۔''

وہ باہر گیا اور قبل اس کے کہ کوئی دیکھے کوٹھی کے غسل خانے میں جا گُھسا۔

ننھے خان کا دوسرا ساتھی درگا پرشاد' اسے بساطی کے تعاقب میں روانہ کر کے سامنے کی طرف آیا ۔ برآمدے میں شیریں بائی کو پایا اور اس سے کہا کہ بہتر ہو کہ کوٹھی کے سب

دروازے بند کر دیئے جائیں ۔ ہیرا بائی بھی نیچے اتر آئی تھی۔ درگا پرشاد کو متردّد پا کر پوچھا۔

''کیا کوئی خطرہ ہے؟''

''احتیاط بڑی چیز ہے۔بائی صاحب کیا آپ پستول چلانا جانتی ہیں؟''

ہیرا بائی نے اثبات میں جواب دیا۔ دُرگا پرشاد نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور ہیرا بائی کو دیا۔

پھاٹک پر پہنچے دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک موٹر کار بہت شور کرتی ہوئی آئی ۔کوٹھی کے قریب آ کر رُک رُک کر چلنے لگی اور پھاٹک کے سامنے آ کر انجن بند ہو گیا۔شوفر گاڑی سے اترا اور بونٹ کھول کر پُرزے دیکھنے لگا ۔ درگا پرشاد آگے بڑھا اور پوچھا کہ کیا کچھ بگڑ گیا ہے۔شوفر نے کہا کہ بجلی کا تار شاید خراب ہو گیا تھا پھر انجن چلانے کا ہینڈل گاڑی سے نکالا اور ایک بار گھمایا۔مگر انجن نہ چلا ہنڈل ہاتھ میں لئے پھر انجن کے پُرزے دیکھنے لگا۔ دُرگا پرشاد بھی پُرزے دیکھنے کو جُھکا کہ یک لخت شوفر نے لوہے کا ہینڈل درگا پرشاد کی کنپٹی پر مارا اور درگا پرشاد گر پڑا۔ گاڑی میں دو آدمی اور تھے فوراً اترے اور درگا پرشاد کو گاڑی میں ڈال لیا اور کھڑکیاں بند کر لیں ۔شوفر پھاٹک کھول کر اندر آیا اور کوٹھی کی طرف بڑھا۔مگر ہیرا بائی نے پستول کا فائر کیا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے سر پر سے گزری۔

شوفر رکا۔

''بائی صاحب آپ کیا کرتی ہیں۔ڈریئے نہیں آپ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''خبردار تم آگے بڑھے اور مین نے فائر کیا۔جاؤ باہر جاؤ فوراً؟''

شوفر ہنسنے لگا اور دوڑ کر مولری کے درخت کی آڑ میں ہوگیا۔ ہیرا بائی نے لبلبی دبائی اور ایک فائر اور کیا۔ اس مرتبہ اجنبی بال بال بچ گیا۔ اس نے خیریت اسی میں دیکھی کہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا پھاٹک کے باہر گیا۔ درگا پرشاد جو بالکل بے ہوش تھا اسے گاڑی سے نکال کر باہر پھینک دیا اور موٹر کو آگے بڑھا لے گیا۔ تھوڑی دور پر سڑک مُڑتی تھی اس طرف گھوم گیا۔ شیریں بائی اور نرس سہمی ہوئی غلام گردش کے ایک گوشے میں کھڑی تھیں ۔ ہیرا بائی ان کے پاس آئی اور کہا۔

''اب کوئی خطرہ نہیں۔ چلو بے چارہ بے ہوش پڑا ہے اسے اٹھا لائیں۔ مائی جی ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔میرے ہاتھ میں پستول ہے۔''

تینوں عورتیں باہر گئیں اور بمشکل تمام درگا پرشاد کو اُٹھا لائیں اور دروازہ بند کر لیا۔ اسے کوچ پر لٹایا' شیریں بائی الماری میں سے صاف کپڑا نکالا ۔ ہیرا بائی پستول میز پر رکھ کر سکّہ اور لوٹا بھر پانی لائی نرس نے جلد جلد خون منہ سے دھویا اور پٹّی باندھی۔ تینوں عورتیں دُرگا پرشاد کی مرہم پٹّی میں مصروف تھیں اور اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھیں۔غسل خانے کی طرف آہٹ ہوئی مگر انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ وہ ابھی مصروف تھیں کہ بساطی جو غسل خانے میں چُھپا ہوا تھا۔ دبے پاؤں کمرے میں آیا اور آن واحد میں اس میز کے پاس پہنچا ۔ جہاں ہیرا بائی نے پستول رکھا تھا۔ پستول ہاتھ میں لیا عورتیں سہم کرایک کونے میں ہوگئیں۔

''جان پیاری ہےتو خاموشی سےمیرے حکم کی تعمیل کرو۔''

ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھا غلام گردش میں لے گیا۔ یہاں سے زینہ بالائی منزل پر جانے کے لیے بنا تھا۔ زینے کے نیچے چھوتی سی کوٹھری تھی۔ شریں بائی اور نرس کو اس میں بند کر کے کُنڈی لگا دی ۔ ہیرا بائی کا کوٹ کھونٹی سے اُتارا اور اسے پہنایا ۔ اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھااس کےدوست موٹر لئےکوٹھی سے کچھ دُور اس کا انتظار کررہے تھے۔

ہیرا بائی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا صدر دروازے پر لایا' دروازہ کھول کر قدم باہر رکھا تھا کہ سر سے پیر تک کانپنے لگا۔مسعود کو سامنے کھڑا دیکھ کر اس کے حواس جاتے رہے مسعود غرایا۔

''تم کتے کی موت مرنانہیں چاہتےتو اپنے ہاتھ اوپر اُٹھاؤ۔''

بساطی نے تعمیل کی مسعود نے اس کی جیب سے دو پستول نکالے اور ہاتھ پشت پر لے جا کر رسّی سے باندھ دیئے' پھر ہیرا بائی کی طرف جو اس خوبصورت نوجوان آدمی کے استقلال اور ہمت پر تعجب کررہی تھی متوجّہ ہوا۔

''بائی صاحب معاف کیجئے آپ کو ان بدمعاشوں کے ہاتھوں بہت ایذا پہنچی ۔ مجھے افسوس ہے کہ ہماری دو آدمی جو یہاں تعینات کئے گئے تھے بیکار ثابت ہوئے اورآپ کو خطرے میں

چھوڑ کر چلے گئے۔''

''آپ کے آدمی بالکل بے قصور ہیں اور ان کی وفاداری اور تن دہی تعریف کے قابل ہے۔ درگا پرشاد اندر کمرے میں بے ہوش پڑا ہے دوسرے پر معلوم نہیں کیا گذری ۔''

مسعود نے زینے کے نیچے کی کوٹھری سے شیریں بائی اور نرس کو باہر نکالا اور بساطی کو اس میں بند کر دیا۔ پھر ملاقات کے کمرے میں پہنچا ۔ درگا پرشاد کو ہوش آچلا تھا۔ مسعود کو دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ نرس نے زخم کی حالت بیان کی ۔زخم خطرناک نہ تھا مگر بے ہوش کرنے کے لئے کافی تھا۔

ننھے خان کی بابت معلوم ہوا کہ وہ بساطی کی نگہداشت کے لیے مالی کی کوٹھری کی طرف گیا تھا ۔مسعود نے ننھے خان کو چری کے انبار کے نیچے پڑا پایا۔ جیب سے چاقو نکال کے اس کے ہاتھ پاؤں سے سُتلی کا جال کاٹا اور اسے آزاد کیا۔ ننھے خان شرم سے پانی پانی ہوا جاتا تھا کہ ایک معمولی بساطی کے ہاتھ سے اتنی بڑی زک اٹھائی ۔مسعود نے بجائے خفا ہونے کے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔

''شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں بہت جلد ان بدمعاشوں سے تم کو بدلہ لینے کا موقع ملے گا۔''

کوٹھی پر واپس آیا تو علاوہ پولیس کے دوسپاہیوں کے بہت سے آدمی ہیرا بائی کے پستول کی آواز سن کر احاطے میں جمع ہو گئے۔

بساطی کو پولیس کے سپرد کیا۔ ہیرا بائی نے مختصر الفاظ میں حال بیان کیا اور کہا کہ جب داروغہ جی یہاں آئیں گے ان سے پورے واقعات بیان کئے جائیں گے۔

ہیرا بائی کو جوں ہی موقع ملا ۔مسعود سے لالہ بنارسی داس کی ملاقات کا ذکر کیا۔ پھر ایک خاص انداز سے آنکھیں نیچی کر کے کہا۔

''آپ کی مہربانی اور امداد کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔''

''میں کسی شکریے کا مستحق نہیں میں نے اپنا فرض ادا کیا۔''

''کیا آپ کے دوسرے ساتھی بھی آپ کی طرح بہادر اور نڈر ہیں؟''

’’آپ کیوں شرمندہ کرتی ہیں اس میں بہادری کی کیا بات ہے۔‘‘

’’آخر تم اپنے آپ کو ایسے خطرے میں کیوں ڈالتے ہو؟‘‘

’’محض تفریح کے لیے‘ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایسے بدمعاشوں کو جو قانون کی زد سے بچ کر جرائم کرتے ہیں کوئی سزا دینے والا ہونا چاہئے۔ ہم لوگوں نے دنیا کی تمام باتوں کو خلق کی خدمت کے لیے ترک کر دیا ہے اس میں ہر ایک خطرہ کا خوشی سے مقابلہ کرتے ہیں۔‘‘

’’کیا تمہاری شادی نہیں ہوئی؟‘‘

اس سوال پر مسعود نے قہقہہ لگایا۔ گویا یہ ایک ایسی بات تھی جو کبھی اس کے ذہن میں نہ آئی تھی۔

’’یہ ایسا معاملہ ہے جس پر ابھی تک غور کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ یہ بدمعاش کچھ دنوں تک یہاں قدم نہ رکھیں گے کوئی بات ہو تو مجھے ٹیلی فون پر مطلّع کرنا۔‘‘

☆☆☆

باب ۱۷

آخری تنبیہہ

مسعود میرٹھ سے دہلی واپس آ گیا۔ راستے میں بار بار ہیرا بائی کے سوال کا خیال کر کے مسکراتا تھا۔ گھر پہنچ کر جلد جلد میرٹھ کے واقعات کنور مہراب جنگ سے بیان کئے اور پھر کسی قدر متردّد ہو کر پوچھا۔

”آپ نے لالہ بنارسی داس کی حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے؟ ایسا نہ ہو کہ گو کھلے کی طرح سانپ اسے بھی ڈس جائے۔“

”انسپکٹر وقار حسین ان کی کوٹھی پر گئے ہیں اور بکرم سنگھ کو ساتھ لے کر گئے ہیں۔“

”کیا پولیس ان کی حفاظت کو کافی نہیں تھی۔ جو بکرم سنگھ کی مدد کی ضرورت پیش آئی۔“

”اب تک انسپکٹر وقار حسین سانپ کی طرف سے اس قدر پریشان نہ تھے۔ لیکن تازہ واقعات سے پولیس والوں کی موٹی عقل کو بھی معاملے کی نزاکت کا احساس ہو چلا ہے بکرم سنگھ کو سانپوں اور ان کے زہر کے متعلق جو معلومات ہیں ممکن ہے کہ ان سے مدد لی جا سکے اور اگر بے خبری میں سانپ بنارسی داس پر حملہ کر دے تو بکرم سنگھ اس کے فوری علاج کے لیے وہاں موجود ہوں گے۔“

مہراب جنگ نے دستانے میز سے اٹھائے اور چھڑی اُٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔ مسعود نے کہا۔

”کیا آپ وائسرائے کے ساتھ لنچ کھانے جا رہے ہیں یا کسی والئ ملک سے ملاقات کا ارادہ ہے جو اس ٹھاٹھ کے کپڑے پہنے گئے ہیں؟“

”ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں میں چند منٹ کے لیے مرزا بلگرامی سے ملنا

چاہتا ہوں۔''

''یہ کہئے! اگر مرزا کا سانپ حملہ کر بیٹھا تو کیا ہوگا؟''

''اس کی مجھے پروا نہیں۔ علاوہ اس کے بلگرامی کی یہ مجال نہیں کہ اپنے گھر میں میرے ساتھ ایسا برتاؤ کر سکے۔ احتیاط کے خیال سے میں نے جو خط مرزا صاحب کو بھیجا ہے وہ کاربن کاغذ کی نقل ہے تاکہ اسے یہ معلوم رہے کہ اصلی تحریر کہیں دوسری جگہ محفوظ ہے اور اگر ضرورت ہو تو بطورِ شہادت اس کے خلاف پیش ہو سکتی ہے ۔ اگر تم بڑی گاڑی پر مجھے جلدی لے چلو تو مہربانی ہوگی؟''

دس منٹ میں مسعود ہاتھ منہ دھو کر اور دوسرے کپڑے بدل کر موٹر دروازے پر لے آیا ۔''کنور صاحب ! بہتر ہوتا کہ مرزا بلگرامی کے شریکِ کار رستم جی سے آپ دو دو باتیں کر لیتے۔''

''رستم جی بھی وہاں موجود ہو گا اسے بھی میں نے لکھ بھیجا ہے ان بدمعاشوں کو آخری بار تنبیہہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔''

چند منٹ میں راستہ طے ہو گیا۔ بلگرامی بلڈنگ کے پھاٹک پر مسعود گاڑی سے اترا دروازہ کھولا ۔ مہراب جنگ برآمد ہوا مسعود نے تمیز دار نوکروں کی طرح ادب سے سلام کیا۔ مہراب جنگ زینے پر چڑھ کر اوپر پہنچا اور اِطّلاع کرائی دو منٹ بھی انتظار نہ کرنا پڑا ۔ مرزا کی نشست گاہ میں داخل ہوا۔

مرزا اپنے تخت پر حسبِ معمول گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ دو کرسیاں تخت کے قریب تھیں۔ رستم جی نفیس انگریزی کپڑے پہنے ہوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ سگریٹ منہ میں دبائے مسکرا رہا تھا۔ مہراب جنگ کو دیکھ کر مرزا صاحب کھڑے ہو گئے اور تپاک کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

''کنور صاحب ! میرے لئے یہ غیر معمولی عزّت کا موقع ہے، ہم فقیروں کے یہاں آپ جیسے رتبے اور شہرت کے لوگ بہت کم آتے ہیں۔''

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا ۔مگر مہراب جنگ نے کچھ توجّہ نہ کی اور کرسی کھینچ کر

بیٹھ گیا دستانے اور چَھڑی تخت پر رکھے اور سنجیدگی سے کہا۔

''مرزا صاحب ! معاف کیجئے ۔ میں اس وقت تکلّف اور تصنّع آمیز باتیں کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں ۔''

رستم جی دوسری کرنی پر بیٹھ گیا اور دریافت کیا۔

''کہئے کنور صاحب ! آپ رات تھیٹر گئے تھے یا نہیں؟ تماشہ کیسا تھا؟''

''گیا ضرور تھا مگر باہر رہا۔ سنتا ہوں کہ آپ بھی گئے تھے مگر دیر میں پہنچے آپ کی ہمشیرہ صاحب کملا بائی بھی تو شاید گئی تھیں؟ ان کا کیا حال ہے؟''

''جی ہاں! وہ بے چاری بہت افسردہ ہے۔ اس کے ساتھ مرزا صاحب کے اسکول کی نئی معلّمہ بھی گئی تھی۔ مگر وہ وہاں سے اپنے کسی آشنا کے ساتھ چل دی اور اب تک واپس نہیں آئی ۔ صورت کی شکیل' اچھا خاصا پٹاخہ' اس کے غائب ہو جانے پر تعجب نہیں ۔ لیکن مرزا صاحب پریشان ہیں اور مجھے اس کی گمشدگی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔''

''بے شک ! کل اس نے میرے ہاں ملازمت کی۔ وہ یہاں تنہا تھی اور ایک طرح میری سپردگی میں تھی۔ اس واقعہ پر مجھے سخت افسوس ہے۔ علاوہ اس کے......''

مرزا بلگرامی جملہ پورا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ مہراب جنگ نے کہا۔

''اس کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں وہ اب آرام کے ساتھ اپنے گھر میرٹھ میں اپنی پھوپھی کے پاس پہنچ گئی اور یہ معلوم کر کے شاید آپ کو تعجب ہوگا۔ کہ وہ ابھی تک وہاں موجود ہے۔ شاید آپ کے گُرگوں نے آپ کو بتا دیا ہو گا کہ وہ اس کو یہاں واپس لانے میں ناکامیاب رہے۔''

مرزا نے کسی قدر تعجب سے کہا۔

''کنور صاحب! کیا آپ میرے مریدوں کو گُرگوں کے نامناسب خطاب کا مستحق سمجھتے ہیں۔ فقیروں پر فقرے کسنا اور ان کی تحقیر کرنا اچھا نہیں۔''

''مرزا صاحب ! اس فقیری اور پیری مریدی کے سوانگ کا ذکر میرے سامنے نہ کیجئے میں آپ کے مریدوں کی حرکات سے واقف ہوں وہ آپ ہی کا تو مرید تھا' جس نے گوکھلے کہ ملکہ کے

باغ میں آپ کے حیرت انگیز سانپ سے کٹوا دیا۔ آپ کے ایک مرید نے میرے ایک عزیز دوست مسعود پر بھی وار کیا تھا مگر خالی گیا۔ لیکن تم کب تک خلق خدا کو اپنے ظاہری زہد و تقویٰ کی مدد سے دھوکہ میں ڈالے رکھو گے۔ اشتہاری صوفی اور تبلیغ کے جھوٹے سردار! یہ تو بتاؤ کہ بے گناہ آدمیوں کا خون کب تک چُھپا رہے گا۔ یاد رکھوایک دن آئے گا جب نہ تمھاری پیری مریدی کام آئے گی نہ تمہارا سانپ سگریٹ کی منہال سے نکل کر حملہ کر سکے گا اورتمہیں اپنے اعمال کی خاطر خواہ سزا ملے گی۔ آخرتم غیر قانونی تونہیں ہو؟''

مرزا کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ کوئی دوسراایسی بد زبانی کرتا تو غالباً وہ صحیح سلامت یہاں سے نہ جاتا۔ لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور دریافت کیا۔

''کنورصاحب! آپ کومیری بابت بہت کچھ معلوم ہے۔''

''بے شک ! میں تمھارے رَگ و ریشہ سے واقف ہوں۔ تمھاری ہر ایک نقل و حرکت کے مجھے خبر ہے۔ تمھاری اخباری اور اشتہاری ہل چل' تالیف اور تصنیف کا ڈھکوسلا' تبلیغ اور قومی کام جن کی آڑ میں تم بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہو مجھے معلوم ہیں۔ علاوہ ان باتوں کے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کس دن مرو گے اور دنیا تمھاری مجرمانہ زندگی سے کب پاک ہوگی؟''

مرزا غصّہ سے بے تاب ہوا جاتا تھا۔ رستم جی کوئی مذاقیہ فقرہ کہنا چاہتا تھا۔ مگر مہراب جنگ نے یہ الفاظ اس سنجیدگی سے کہے کہ وہ گھبرا گیا۔ مرزا نے دریافت کیا۔

''یوں کہئے کہ آپ کو خدائی کاموں میں دخل ہے موت اور زیست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ واقعی مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کب مروں گا؟''

بے شک! سنو اور خوب غور سے سنو! جس دن ہیرا بائی کو کوئی گزند پہنچا اس دن تمہارا خاتمہ ہےاور تمھارے ساتھ اس سب لوگوں کا جوتمھارے شریک کار ہیں۔''

رستم جی آگے جُھکا اور کسی قدر غصّہ سے کہا۔

''آخراس ملک میں کوئی قاعدہ اورقانون ہے یا خدائی فوجداروں کا راج ہے!''

''اس معاملے میں تم مجھے ایسا قانون سمجھو۔ جس کا نفاذ قدرت کی طرح اٹل ہے۔''

دیکھو میاں بہرام ! میں تمہاری حقیقت سے واقف ہوں ۔ اپنے نام کو اڑا کر کے بجائے بہرام کے مہراب جنگ کہتے ہو اور دنیا تمہیں نیپالی شہزادہ سمجھتی ہے۔ مگر تم اصل میں دہلی کے شاطر قزاق ہو جس نے دنیا بھر کو لُوٹا اور صدہا جرائم کئے آخر تم بھی انسان ہو غیر فانی نہیں۔ بہتر ہو کہ تم اپنی توجّہ کسی اور طرف مبذول کرواور ہمارے سدِ راہ نہ ہو۔ جاؤ اپنی خیر مناؤ۔''

''میں صرف ایک صورت میں اپنے آپ کو علیحدہ رکھ سکتا ہوں ۔ وہ یہ کہ تم ہیرا بائی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم کسی چیز کی تلاش میں ہو جسے تم بغیر ہیرا بائی کے نہیں پا سکتے ۔ میں خود نہیں جانتا کہ معاملہ کیا ہے صِرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم لوگ کسی اہم بات کے پیچھے پڑے ہو جس کی کامیابی پر تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ اس لئے تم اس بیبا کی سے بے گناہ آدمیوں کو ہلاک کرر ہے ہو۔ لیکن یادرکھو انتقام بہت سخت ہوگا۔''

وہ کرسی سے کھڑا ہوا اور سنجیدگی سے بولا۔

''معلوم نہیں کہ پولیس کو اس معاملے میں کہاں تک علم ہے۔ لیکن آج نہیں تو کل پولیس والے تمھاری جرائم پیشہ زندگی کا خاتمہ کر دیں گے اور وہ دن دور نہیں کہ تم سُولی پر لٹکے ہو گے۔ میں صِرف یہ کہنے آیا تھا کہ اگر تم ہیرا بائی سے کوئی تعرض نہ کرو گے تو میں اور میرے دوست بالکل علیحدہ ہو جائیں گے ۔ اگر تم ہیرا بائی کے بغیر اس دولت پر قابض ہو سکتے ہو جس کی تمھیں دُھن لگی ہے تو یقین کرو کہ ہماری طرف سے تمھاری کوئی مخالفت نہ ہوگی۔''

یہ کہہ کر مہراب جنگ نے اپنی چھَڑی اور دستانے اٹھائے اور دروازے کی طرف چلا رستم جی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

''میاں بہرام ! اپنی اصلیت کو نہ بُھولو۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہمارے پیچھے نہ پڑو...... ورنہ......''

وہ جملہ پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مہراب جنگ نے اس کی طرف رُخ کیا اور غصّہ سے کہا۔

''رستم جی' خوب یاد رکھو۔ وہ دن قریب ہے کہ تم سُولی پر لٹکے ہو گے یا قرین قیاس ہے کہ بلگرامی کا سانپ تم کو ڈس لے گا۔''

آخری فقرہ سن کر رستم جی پر خوف طاری ہو گیا۔ پتے کی طرح لرزنے لگا۔ مہراب جنگ زینہ اتر کر نیچے پہنچا اور موٹر کے لئے اشارہ کیا۔ مسعود موٹر لے کر دروازہ پر آیا۔ دربان کو اوپر کی طرف ہاتھ اُٹھارے دیکھ کر چیخا۔

''جلد سوار ہو جاؤ!''

مہراب جنگ فوراً موٹر میں کود پڑا۔ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ مسعود نے موٹر تیزی سے آگے بڑھایا ۔ اسی کے ساتھ زور دار دھما کہ ہوا اور موٹر کی چھت کا ایک گوشہ کسی سخت چیز کے لگنے سے ٹوٹ گیا۔ مسعود نے موٹر کو روکا اور کود کر دروازہ کی طرف واپس گیا مگر کسی کو وہاں موجود نہ پایا۔ دونوں دوستوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بال بال بچ گئے۔ پتّھر کا چھجّہ جس پر تعمیر کے لیے اینٹ اور چُونا رکھا ہوا تھا نیچے ِگر گیا اگر مسعود تیزی کے ساتھ موٹر آگے نہ بڑھاتا تو خدائی فوجداروں کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ ایک پولیس کا سپاہی فوراً موقع پر آ گیا اور اس حادثے کی غایت پر غور کرنے لگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ معماروں نے بہت سا مصالحہ چھجّے پر رکھ دیا۔ چھجّہ پرانا اور بوسیدہ تھا اتّفاق سے گر گیا۔''

لیکن مسعود اور اس کے دوست کو احساس تھا کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی ۔ بلکہ ان کے ہلاک کرنے کے لیے انتظام کیا گیا تھا۔ دروازے کی چوکھٹ کے پاس ایک سُتلی لٹکی ہوئی تھی جس کا سلسلہ ٹوٹے ہوئے چھجّے سے ملا دیا گیا تھا ۔جو دربان وہاں کھڑا تھا اسی نے اس رسّی کو کھینچ کر چھجّہ گرا دیا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا ۔ مسعود کو اس حادثے نے ہوشیار کر دیا تھا۔ شب کا کھانا کھانے کے بعد مسعود کسی کام کا بہانہ کر کے باہر گیا اور رات کے تین بجے تک واپس نہ آیا۔ واپسی کے وقت بہت مسرور تھا۔ جنگ بہادر نے کہا۔

''مسعود آج تم نے میری جان بچائی تم موٹر کو تیزی سے نہ بڑھاتے تو خاتمہ تھا۔''

''جی ہاں، سانپ کا علاج اس قدر مشکل نہیں، جس قدر ایسے اتّفاقی حادثوں کا۔ سہ پہر کو ہماری موٹر حادثے سے بچ گئی مگر شب کو جو حادثہ پیش آیا اس سے بلگرامی کا دفتر محفوظ نہ رہ

سکا۔"

اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ جنگ بہادر نے گردن باہر نکال کر دیکھا ۔ چاندنی چوک میں جہاں بلگرامی بلڈنگ واقع تھی ۔ آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے

وہ مسعود کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تم بڑے شریر ہو!"

"اس میں شرارت کی کیا بات ہے۔ میں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کے قانون پر ایمان رکھتا ہوں ۔ انتقام قانونِ قدرت کے عین مطابق ہے۔ کیا بلگرامی کے دفتر کے جلنے کا آپ کو افسوس ہے؟"

"مطلق نہیں۔"

باب ۱۸

مرزا کے مُرید

ایک زمانہ میں مرزا بلگرامی کو کیمیا کے تجربات میں بڑا شغف تھا۔ دولت مند ہونے کی خواہش نے اسے اوّلاً کیمیا کی طرف مائل کیا۔ عربی اور فارسی زبان میں دوایک رسالے بھی اس کی نظر سے گزرے جن میں دھاتوں کے قلب ماہیت پر پرانے زمانے کے اعتقاد کے مطابق بحث کی گئی تھی ۔ مرزا نے اپنے وقت کا بڑا حصّہ سیسہ سے چاندی اور تانبے سے سونا بنانے کے خبط میں صَرف کیا' دوایک مرتبہ بعض چیزوں کی رنگت اور وزن میں تبدیلی بھی ہوگئی اور اگرچہ مرزا نے دولت پیدا کرنے کے دوسرے ذرائع اختیار کر لئے تھے مگر اس کے ابتدائی شوق میں کمی نہ ہوئی' اور اسے یقین تھا کہ کسی دن کیمیائی عمل سے سونا بنانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ انہی تجربات کے سلسلہ میں اس نے زود اثر زہر بنانا سیکھا اور مدّتوں تجربہ کر کے سانپ کے زہر کو خاص ترکیب سے چھوٹی چھوٹی گولیوں میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد دوسرے اجزاء کی آمیزش سے اس زہرِ قاتل کی گولیوں کو ایسا بنا لیا کہ جسم انسان سے مَس کرتے ہی فوراً پگھل کر مسامات کے راستے زہر آنِ واحد میں خون میں سرایت کر جاتا تھا۔ زہر کی گولیاں ایک کمانی دار نلکی میں رکھی جاتی تھیں اور اسے بالکل سگریٹ کی شکل کا بنایا جاتا تھا۔ اس کے فدائی اس خوفناک سگریٹ سے مرزا کے دشمنوں کو قتل کرتے تھے اور دنیا سمجھتی تھی کہ سانپ کے کاٹنے سے موت واقع ہوئی ہے۔

مرزا نے اپنی کوٹھی میں ایک کمرہ کیمیائی تجربات کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اور جب معمول کے مشاغل سے فرصت ہوتی کچھ وقت یہاں ضرور صَرف کرتا تھا۔ آج بھی مرزا ان تجربات میں مشغول تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور رستم جی نے کہا۔

’’کچھ معلوم بھی ہے! بلگرامی بلڈنگ چاندنی چوک میں بڑے زور کی آگ لگی ہے اور بظاہر تمام عمارت اور سامان جل چکا ہے۔‘‘

’’آگ بجانے کا انجن وہاں پہنچا یا نہیں؟‘‘

’’نہیں ! میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی نے غلط ٹیلی فون دے کر یہاں آگ مشتعل ہونے سے پہلے انجن کو نئ دہلی میں طلب کیا ۔معلوم ہوتا ہے کہ خدائی فوجداروں نے آج سہ پہر کے حادثہ کے بدلہ لیا ہے۔‘‘

’’ممکن ہے ۔لیکن ایسے حادثوں کو بھول جاؤ ۔ جو بڑا کام اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے اس کی طرف تمام توجّہ کرنی لازمی ہے۔ بے شک بہرام اور اس کے ساتھی تکلیف دہ ہو گئے ان کا میں فوراً بندوبست کرتا ہوں۔‘‘

ٹیلی فون کا آلہ میز پر رکھا اپنے کیمیا خانے کو بند کیا۔ زینہ چڑھ کر اوپر گیا جہاں اس کے فدائی مولا اور بندو رہتے تھے ۔ یہ دونوں اکثر بھنگ یا افیون کے نشے کی حالت میں ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے۔ مرزا نے کمرہ کھولا تو دونوں گتھم گتھا زمین پر پڑا پایا۔ تاش کے پتے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ۔ مرزا کو دیکھتے ہی دونوں علیحدہ ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے ۔ مولا نے کہا۔

’’مرزا صاحب‘ بندو بڑا بے ایمان ہے دھوکہ دے کر اس نے میرا روپیہ جیت لیا ہے۔ یہ دیکھئے بنے ہوئے پتّے آستین میں رکھتا ہے‘ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔‘‘

بندو نے مولا کو غصّہ سے دیکھا اور وہ اپنے مرشد کی طرف متوجّہ ہوا۔

’’حضور ! اس بھوکے بنگالی کو یہاں سے نکالئے ۔ ہر وقت نشے میں رہتا ہے‘ کسی دن میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔‘‘

مرزا نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور بندو سے کہا۔

’’خاموش! میرے کمرے میں چلو اور انتظار کرو۔‘‘

تھوڑی دیر میں مرزا اپنی نشست گاہ میں واپس آیا تو بندو کو ادب کے ساتھ کھڑا پایا بجائے ناراض ہونے کے مرزا نے نرمی سے کہا۔

''بندوتم اس بنگالی کی بات کا قطعی خیال نہ کرو ۔تم بڑے کارگزار مرید ہو مجھے افسوس ہے کہ کل مسعود پر تمہارا وار خالی گیا۔ یہ وہی آدمی ہے جس نے تمہیں کوڑوں سے مارا تھا۔ وہ پولیس سے مل کر تمھارے گرفتار کرانے کی فکر میں ہے ۔ دو مرتبہ پولیس تمھاری تلاش میں یہاں آچکی ہے۔ تہہ خانے میں تم کب تک چُھپے رہو گے ۔ بہتر ہو گا کہ مسعود کا خاتمہ جلد ہو جائے ۔تمہیں ایک موقع پھر دیتا ہوں اور تمھاری ہمت اور ہوشیاری کا امتحان کرتا ہوں۔ رات کو مسعود لالہ بنارسی داس کی کوٹھی میں ملے گا۔ وہاں ہمارے سب آدمی جائیں گے اور حسبِ ہدایت کام کریں گے ۔لیکن تم صِرف مسعود پر تعینات کئے جاتے ہو۔جس وقت موقع پاؤ وار کرو۔اس مرتبہ غلطی نہ ہو پنجابیوں کا بھیس بدل کر یہاں واپس آؤ۔''

بندو نے سلام کیا اور باہر گیا۔مرزا نے گھنٹی بجائی اور مولا کمرے میں داخل ہوا۔

''مولا مجھے تمھارے ساتھ اتّفاق ہے' بندو بڑا چالاک اور بے ایمان ہے۔کل اس نے مسعود پر وار کیا اور ناکامیاب رہا۔ گانجہ اور بھنگ پیتے پیتے اس کے حواس ٹھکانے نہیں رہے ۔ اس کا راہ سے ہٹ جانا مناسب ہے۔کیا واقعی تم اسے زندہ نہیں دیکھ سکتے ؟''

''حضور اجازت دیں تو میں آج ہی اس کا کام تمام کردوں۔''

''ٹھہرو ۔ جلدی کی ضرورت نہیں تمہیں موقع دیا جائے گا ۔ رات کو میں بندو کو ایک ضروری کام سے بھیجوں گا ۔تم بھی وہاں جاؤ گے پہلے اسے وہ کام کرنے دو۔ اس کے بعد اجازتہے تم اپنا بدلہ لو اوروار کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کی مہم کے بعد بندو یہاں واپس آئے۔

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں بندو کھڑکی سے کان لگائے برآمدے میں موجود تھا ۔ اس نے اپنی سزائے موت کے حکم کو دلچسپی سے سنا اور دل میں کچھ فیصلہ کیا اور اپنے کمرے میں تبدیلی لباس کے لیے چلا گیا۔

باب ۱۹

سانپ کا حملہ

لالہ بنارسی داس دہلی کے متموّل کاروباری آدمیوں میں شمار کئے جاتے ہیں وہ دن کا زیادہ حصّہ دہلی میں صَرف کرتے ہیں اور جو کچھ کام ہوتا ہے دفتر میں انجام دیتے ہیں ۔دوسرے دولت مند آدمیوں کی طرح نہ انھیں کبھی آنریری مجسٹریٹی کا شوق ہوا نہ کسی خطاب کی خواہش' نہ سیاسی اور نہ فرقہ وارانہ لیڈری کا کبھی خبط ہوا۔ اپنے کاروبار سے جو وقت ملتا ہے خاموشی کے ساتھ اپنی خوبصورت کوٹھی واقع صدر دہلی میں صَرف کرتے ہیں اور کتابوں' تصویروں اور اخبارات سے دل بہلاتے ہیں۔

بنارسی داس مدّتوں بمبئ اور کراچی میں رہا تھا۔ اور مرہٹی اور گجراتی زبان سے بخوبی واقف تھا۔ غالبًا بمبئ کے قیام میں گوکھلے سے ملاقات ہوئی تھی جو دوستی کی حد کو پہنچ گئی اور دہلی آنے کے بعد بھی اس کے تعلقات قائم اور خط و کتابت جاری رہی جو مرہٹی زبان میں ہوتی تھی۔

ہیرا بائی سے ملاقات کرنے کے بعد لالہ بنارسی داس نے کنور مہراب جنگ سے مشورہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میرٹھ سے واپسی پر بذریعہ ٹیلی فون مہراب جنگ کو رات کے کھانے پر مدعو کیا اور مسعود کو بھی بُلایا گیا۔ مہراب جنگ کے کہنے سے انسپکٹر وقار حسین اور کنور بکرم سنگھ کو بھی مدعو کیا گیا۔ لالہ بنارسی داس محتاط اور دور اندیش آدمی تھا' اس نے خیال کی کہ ان اجنبی آدمیوں پر ایسے اہم معاملے میں بھروسہ کرنا مناسب نہیں ہے ۔ اس لئے اس نے اپنے کاروباری وکیل کو جس کی دیانت اور رازداری پر اسے بھروسہ تھا۔ شام کے کھانے پر بُلا بھیجا۔ کوٹھی شاہراہ سے کچھ فاصلے پر ایک وسیع باغ کے وسط میں واقع تھی ۔ مسعود کچھ دیر بعد

پہنچا۔ پھاٹک پر ایک آدمی کو ٹہلتا پایا۔ یہ تبدیل لباس میں انسپکٹر وقار حسین کا ماتحت تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہراب جنگ اور وقار حسین آ گئے ہیں، یہ بھی پتہ چلا کہ جھٹپٹا ہو جانے کے بعد کئی مشتبہ آدمی کوٹھی کے اِرد گرد نظر آئے۔

مسعود کوٹھی میں داخل ہو تو مہراب جنگ اور وقار حسین کو اپنے میزبان سے گفتگو کرتے پایا۔

''لالہ صاحب! معاف کیجئے گا۔ مجھے آنے میں چند منٹ کی دیر ہو گئی۔ سڑکوں پر میلے کی وجہ سے ہجوم تھا اور میں تیس میل سے زیادہ اپنی موٹر کار نہ چلا سکا۔''

''آپ کو کچھ دیر نہیں ہوئی۔ عجب تو یہ ہے کہ وکیل صاحب ابھی نہیں آئے۔ کاشف علی صاحب عام طور پر اپنے وقت کے بڑے پابند ہیں معلوم نہیں کیا ہوا۔ انھیں آدھ گھنٹے پہلے یہاں آ جانا چاہئے تھا۔ ٹیلی فون کیا گیا۔ تو پتہ چلا کہ وہ گھر سے عرصہ ہوا روانہ ہو چکے ہیں۔''

ایک ملازم اندر آیا اور اطّلاع کی۔

''حضور ابھی ٹیلی فون پر کسی نے وکیل صاحب کے مکان سے کہا ہے کہ انھیں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔''

مہراب جنگ اور وقار حسین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دل میں سمجھا کہ یہ حادثہ اتّفاقی بات نہ تھی بلکہ مرزا کے آدمیوں کی کارستانی تھی تا کہ وکیل صاحب یہاں نہ پہنچ سکیں۔ بنارسی داس اس خبر کو سن کر بہت متردّد ہوا۔

'' معاف کیجئے۔ میں خود ٹیلی فون پر جا کر دریافت کرتا ہوں کہ وکیل صاحب کی کیا حالت ہے؟''

یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کے پاس گیا۔

مسعودؔ وقار حسین کے پاس آیا اور دریافت کیا۔

''کہئے انسپکٹر صاحب۔ لالہ صاحب نے آپ کو وہ کاغذات دکھائے یا نہیں۔''

''ابھی نہیں۔ انھیں اپنے وکیل کی آمد کا انتظار تھا۔ زبانی البتّہ یہ بتایا کہ گوکھلے سے وہ مدّت سے واقف ہیں۔ بنارسی داس کی طرح گوکھلے کو بھی آثار قدیمہ کے ساتھ دلچسپی تھی۔

سانچی ٹوپ کے دیکھنے کے لیے بھوپال گیا تھا۔ وہاں جا کر فریدوں جی کی موت اور اس کے حالاتِ زندگی سے آگاہی ہوئی۔ اس کے متعلق اس نے کئی خطوط لکھے اور اس کے راز کو معلوم کر لیا ۔ چونکہ اس معاملے میں کسی راز دار کی ضرورت تھی۔ جو بوقتِ ضرورت ہر طرح کی مدد بھی کر سکے ۔ اس لئے بنارسی داس سے اس معاملے کے متعلق خط و کتابت جاری تھی۔

’’لیکن وہ تحریر بھی دکھائی یا نہیں، جس کا تعلق ہیرا بائی سے ہے۔‘‘

’’نہیں ‘ یہ سب کاغذات اس آہنی صندوق میں ہیں جو دفتر کے ایک گوشے میں نصب ہے۔وکیل صاحب کے انتظار میں ابھی تک اس بکس کو نہیں کھولا گیا۔‘‘

’’معلوم ہوتا ہے کہ آج یہاں حملہ سخت ہوگا۔‘‘

’’اندیشہ تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔لیکن میں نے کافی آدمیوں کا انتظام کیا ہے۔آج رات کو کھانا کھانے کے بعد لالہ صاحب کے آدمی تھیٹر دیکھنے جائیں گے ایک لاری وہاں لے جانے کے لیے ائے گی۔ اس میں میرے آدمی پوشیدہ طور پر مکان میں داخل ہو جائیں گے۔ مرزا کے جو آدمی باہر گھوم رہے ہیں انھیں معلوم بھی نہ ہوگا۔

’’معلوم ہوتا ہے کہ نوکروں کو تھیٹر بھیجنے کا انتظام مرزا کے اشارے پر ہوا ہے تا کہ لالہ صاحب مکان میں تنہا ہوں اور ان کا خاتمہ کر دیا جائے اور کاغذات چُرائے جائیں۔‘‘

’’ آپ کی رائے صحیح ہے ۔ مرزا غیر معمولی عقل کا آدمی ہے۔ اسے امید ہے کہ لالہ صاحب اپنے آدمیوں کو تھیٹر جانے دیں گے اور میدان ہمارے لئے صاف ملے گا۔‘‘

لالہ بنارسی داس واپس آئے اور اس حادثے کا جو وکیل صاحب کو پیش آیا تھا‘ تفصیل بیان کی وکیل صاحب تیزی سے موٹر چلاتے ہوئے یہاں آرہے تھے کہ ایک موڑ کے قریب سڑک پر درخت کی شاخ ِگر پڑی اور وکیل صاحب کی موٹر الٹ گئی۔

مسعود نے ہمدردی سے کہا۔

’’معلوم ہوتا ہے آج کل حادثات کی کثرت ہے۔کل ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور ہم بال بال بچے ۔ امید ہے وکیل صاحب کے زیادہ چوٹ نہیں آئی ہو گی۔‘‘

’’بڑی خیریت ہوئی موٹر کا ٹپ گرا ہوا تھااور وکیل صاحب دور جا کر گرے موٹر کے نیچے

دبے نہیں۔ اس وقت ہسپتال میں ہیں ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد گھر چلے جائیں گے۔ آیئے کھانا تیار ہے۔''

کھانے کا کمرہ روشنی سے منور تھا۔ لالہ بنارسی داس کے مہمان بیٹھ گئے ۔ مسعود نے اپنے لئے نشست پسند کی جہاں سے کھڑکی کے باہر باغیچہ نظر آتا تھا بیٹھنے سے پہلے کھڑکی کھولی اور جیب سے کسی چیز کے دانے نکال کر برآمدے میں ڈال دیئے اور اطمینان سے آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کھانا کھاتے وقت بار بار اس کی نظر باغیچہ کی طرف جاتی تھی ۔ کھانا خاتمہ کے قریب تھا کہ کوئی چیز چٹ سے ہوئی۔

مسعود کرسی سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف لپکا۔ ذرا سی دیر میں برآمدے میں پہنچا لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ برآمدے کے نیچے پھولوں کی کیاری تھی۔ اس میں جوتے کے تازہ نشان پائے ۔ انسپکٹر وقار حسین بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور دونوں آدمی سامنے کے چمن کی طرف بڑھے۔ جس میں گلاب اور چنبیلی کے درخت ہر طرف لگے ہوئے تھے ۔ اندھیرے میں کوئی شخص ایک تھالے کی آڑ سے احاطے کی طرف دوڑتا ہوا معلوم ہوا۔ جیب سے پستول نکال کر فائر کیا مگر بظاہر نشانہ خالی گیا۔ دونوں آدمی کوٹھی میں واپس آگئے ، برآمدے میں مسعود کھڑکی کے نیچے جھکا اور جو دانے اس نے وہاں بکھیرے تھے انھیں سمیٹنے لگا۔

''انسپکٹر صاحب! آپ نے کبھی ان جاپانی پٹاخوں کا استعمال کیا ہے یا نہیں؟ یہ بڑے کام کے ہیں ۔ دو ایک بار ان کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ جب آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ دشمن سوتے وقت آپ کے ہلاک کرنے کی فکر میں ہے تو ان ننھے ننھے پٹاخوں کو خواب گاہ میں چھڑک لیجئے ۔ جس وقت پیر کے نیچے کوئی دانہ آئے گا آواز ہو گی۔ ایک مرتبہ تو دشمن چُھری لئے ہوئے میرے پلنگ کے قریب ہی تھا کہ آواز ہوئی اور میری آنکھ کُھل گئی۔''

''اور حملہ کرنے والے کا کیا حشر ہوا؟''

''یہ نہ پوچھئے ۔ شاید مرزا بلگرامی یا کوئی اور مولوی اس کا جواب دے سکے ان کے نزدیک قاتل اس وقت دوزخ میں ہوگا ۔ مگر میں اس کا قائل نہیں۔ دوزخ میں ہو یا بہشت میں ان چھوٹے چھوٹے پٹاخوں کی بدولت ایک خطرناک دشمن میری راہ سے ہمیشہ کے لیے ہٹ

گیا۔‘‘

پھر دونو ں نے آہستہ آہستہ کچھ مشورہ کیا اور صدر دروازے کی برف گئے‘ جہاں پستول کی آواز سن کر لالہ بنارسی داس اور کنور بکرم سنگھ آگئے تھے ۔ لالہ صاحب نے پوچھا۔’’میں نے فائر کی آواز سنی۔کیا آپ نے پستول چلایا تھا؟‘‘

’’جی ہاں ! کوئی شخص اندھیرے میں آپ کے نفیس گلاب کے پھول چُرانے آیا تھا میں نے اسے بھگا دیا۔ لالہ صاحب اگر آپ چند منٹ کے لئے اندر تشریف لائیں تو مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔‘‘

تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو بکرم سنگھ اور وقار حسین کو برساتی کے قریب کھڑا پایا۔ انسپکٹر کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا۔

’’مسعود نے دریافت کیا۔’’انسپکٹر صاحب کیا آپ جا رہے ہیں؟‘‘

’’جی ہاں!تکلیف کر کے کسی آدمی سے کہئے کہ میرا موٹر لے آئے۔‘‘

مسعود غلام گردش میں چلا گیا تو بکرم سنگھ نے اپنے تعجب کا اظہار کیا اور انسپکٹر پولیس سے کہا ۔’’افسوس ہے کہ آپ ایسے خطرے کے وقت یہاں سے جا رہے ہیں۔ آپ کو ٹھہرنا چاہئے۔‘‘

’’کنور صاحب میں یہاں صرف کھانا کھانے آیا تھا۔ اب زیادہ ٹھہرنا اپنے میزبان کو تکلیف دینا ہے ۔ وہ سویرے سونے کے عادی ہیں‘ علاوہ اس کے مجھے اور ضروری کام ہیں۔‘‘

بکرم سنگھ کو پولیس افسر کی اس لاپروائی پر غصّہ آیا۔

’’لیکن آپ کو اپنے میزبان کی جان کی مطلق پروانہیں ہے آخر آپ پولیس والے ہیں۔ خطرہ کے وقت آپ لوگ ہمیشہ دور رہتے ہیں۔‘‘

اتنے میں موٹر آگیا اور مسعود بھی کوٹھی سے برآمد ہوا انسپکٹر نے دونوں آدمیوں سے مصافحہ کیا اور شوفر کے پاس بیٹھ کر زور سے کہا۔

’’پہلے کوتوالی چلو۔ وہاں کچھ کام ہے۔‘‘

موٹر روانہ ہو گیا۔ بکرم سنگھ کو انسپکٹر کی اس بزدلانہ حرکت پر سخت غصّہ تھا ۔لالہ بنارسی

داس کے تمام ملازم کھانا کھا کر تھیٹر جانے کے لیے تیار تھے اور موٹر لاری کے انتظار میں برساتی میں جمع ہو گئے تھے ۔ لالہ صاحب کے خدمت گار کو کچھ پس و پیش تھا کہ اپنے آقا کو تنہا چھوڑ کر دو تین مہمان ابھی رخصت نہیں ہوئے تھے تفریح کے لیے باہر جانا مناسب نہیں ہے ۔لیکن مسعود نے اصرار کیا اور کہا کہ تماشہ بہت عمدہ ہے ۔ مدّت سے ایسا تماشہ دہلی میں نہیں ہوا۔ کھانا ختم ہو چکا تھا' اتنے میں ایک موٹر لاری آئی لیکن بجائے برساتی کے باورچی خانے کی طرف چلی گئی مسعود نے کہا۔

''لاری والی غلطی سے مکان کی پشت پر چلا گیا۔تم لوگ یہاں ٹھہرو میں لاری کو برساتی میں بھیجتا ہوں۔''

وہ غلام گردش میں ہو کر پشت پر پہنچا اور چند منٹ میں واپس آ گیا۔ عین اسی وقت لاری برساتی میں آئی اور سب ملازم خوش خوش بیٹھ گئے ۔لاری باہر چلی گئی۔

''کنور صاحب' آپ کا غصّہ بالکل بجا ہے ۔ آیئے باغ میں ٹہلیں ٹھنڈی ہوا ہے۔ حملہ شاید دیر میں شروع ہوگا۔''

لیکن مسعود کا اندازہ غلط تھا۔ دونوں آدمی باغ کی روش پر چند قدم آگے گئے تھے کہ بکرم سنگھ یکا یک لڑکھڑایا اور گرنا چاہتا تھا کہ مسعود نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور سنبھالا۔

''اُف !غضب ہوا مجھے اندر لے چلو۔''

مسعود' بکرم سنگھ کو اندر لایا اور دروازہ بند کر کے دفتر کے کمرے میں لے جا کر ایک آرام دہ کرسی پر بٹھا دیا۔ بکرم سنگھ کے گال پر سرخ نشان تھا اور وہ درد سے کانپ رہا تھا۔

''اف !سانپ نے مجھے بارہا کاٹا۔کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی۔''

''خدا کا شکر۔تمہاری جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو اتنی دیر زندہ نہ رہتا۔''

مسعود نے برقی گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھا۔بکرم سنگھ نے کہا۔

''گھنٹی بجانے کا کیا فائدہ' سب نوکر تھیٹر چلے گئے یہاں کون ہے جو آئے گا؟''

لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی ذرا سی دیر میں مہراب جنگ' انسپکٹر وقار حسین اور اس کے دس بارہ سپاہی دوڑتے ہوئے کمرے میں آئے۔مسعود نے کہا۔

’’یہ سب لوگ موٹر لاری میں بیٹھ کر یہاں آئے ۔ لاری کے منگانے کا صرف یہی منشا نہ تھا کہ نوکر باہر چلے جائیں بلکہ یہ بھی تھا کہ پولیس والے پوشیدہ طور پر یہاں آجائیں ۔ انسپکٹر صاحب کچھ دور موٹر میں گئے اور پھر وہ بھی اس لاری میں چُھپ کر یہاں آگئے ۔‘‘

’’اور لالہ بنارسی داس کہاں ہیں ۔‘‘

’’وہ اس موٹر میں جس پر وقار حسین سوار ہو کر باہر گئے تھے ۔ چُھپ کر چلے گئے اور اس وقت شہر میں ہوں گے ۔ان کی جان کے لیے بڑا خطرہ تھا‘ یہاں رہنا مناسب نہ تھا۔‘‘

’’تم لوگ کمال کے آدمی ہو؟‘‘

اس کے گال کا نشان بڑھتا جاتا تھا اور سیاہی مائل ہو گیا‘ اس نے جیب سے ایک ڈبیہ نکالی اور چٹکی بھر دوا نکال کر گال پر ملی ۔

’’یہ دوا سانپ کے زہر کے لیے تریاق کا کام دیتی ہے۔لیکن سانپ کے زہر کا اثر مجھ پر مطلق نہیں ہوتا۔ ہزار سانپ کا زہر ملا کر انسانی جسم میں بھرا جائے اس وقت بھی یہ تکلیف نہیں ہوسکتی یہ سانپ نہیں تھا کوئی اور شیطانی چیز تھی ۔‘‘

خوش قسمتی سے آپ پر زہر کا اثر نہیں ہوتا ۔ بظاہر یہ وار مجھے پر کیا گیا تھا۔ بندو کا یہ دوسرا حملہ تھا جو خالی گیا۔ آپ سب خاموشی کے ساتھ یہاں ٹھہریں میں اوپر کے کمرے میں جا کر دیکھتا ہوں کہ باہر کیا ہورہا ہے اور حملہ کس طرف سے ہوتا ہے ۔‘‘

مسعود لالہ بنارسی داس کی خواب گاہ میں گیا جو دوسری منزل پر تھی ۔ اس کی کھڑکی شام سے کُھلی ہوئی تھی‘ کمرے میں اندھیرا تھا ۔ اس نے باہر دیکھا تو باغ میں چھ سات آدمی نظر آئے ان میں سے دو آگے بڑھے لیکن گلاب کے تختے میں ایک آدمی لڑکھڑایا اور گر گیا۔ دوسرا ایک درخت کی آڑ میں ہوا اور نظر سے غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے نیچے آہٹ معلوم ہوئی ۔

مسعود پیچھے ہٹ گیا۔ دیوار کی طرف کھسکا تو روشن دان کے کھولنے اور بند کرنے کی رَسّی پر ہاتھ پڑا ۔ دل میں خوش ہوا ۔روشن دان کھڑکی کے بالکل اوپر تھا۔ فوراً کرسی پر چڑھا رَسّی کا ایک بڑا سا حلقہ بنایا اور کھڑکی کے پردے سے حلقہ مِلا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی

کھڑکی کے سامنے آیا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ اب بالکل خاموشی ہے اور کمرہ خالی ہے ۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھ کر کمرے کے اندر کُودا۔ عین اسی وقت مسعود نے رَسّی کے پھندے کو جھٹکا دیا اور اس آدمی کے گلے میں رَسّی پھندا کس گیا آواز بھی منہ سے نہ نکلنے پائی۔ مسعود نے پھندے کو کسا آدمی اس کے بس میں تھا۔ جیب سے چاقو نکالا رَسّی کاٹ کر ایک سِرا ہاتھ میں پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے کھڑکی بند کی اور پردہ ڈال دیا ۔ روشنی کا بٹن دبایا تو کمرہ منوّر ہو گیا۔ اسے امّید تھی کہ یہ آدمی بندو ہوگا اور آج اس کے ہاتھ سے اس کی ناپاک زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا مگر یہ بندو نہیں کوئی دوسرا آدمی تھا اسے دھکیلتا ہوا کمرہ سے باہر لے گیا اور چند منٹ میں لالہ صاحب کے دفتر کے کمرے میں جہاں اس کے ساتھی جمع تھے پہنچا۔ انسپکٹر وقار حسین نے قیدی کو غور سے دیکھا اور کہا۔

''سیتل، کیا تم بھی مرزا کے گروہ میں شامل ہو؟ ٹھار داس کے قتل کے بعد سے پولیس تمھاری تلاش میں تھی۔''

''سیتل قوی ہیکل اور مضبوط آدمی تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے رَسّی کا پھندا ڈھیلا کرنے کی کوشش کی۔ مسعود نے اسے کرسی پر بٹھا کر رَسّی سے باندھ دیا۔ پھندا ڈھیلا کیا ۔ تو سیتل نے غصّہ سے کہا۔

''یاد رکھو! تمھاری جان کی خیر نہیں۔ تمہیں زندہ چھوڑوں تو میرا نام سیتل نہیں۔''

مسعود مسکرایا۔

''اس وقت اپنی خیر مناؤ ۔ سچ بتاؤ تمھارے ساتھی کیوں باہر کھڑے ہیں ۔ اندر کیوں نہیں آتے ۔کیا تمھارے اشارے کے منتظر ہیں، وہ اشارہ کیا ہے؟''

''ہر گز نہیں بتاؤں گا۔''

''تم ضرور بتاؤ گے لیکن جب تک تمھارے ساتھ وہی ترکیب نہ ہو گی جو تمھارے دوست دوسروں کا راز معلوم کرنے کے لیے کرتے ہیں تم نہ بتاؤ گے۔''

اس نے جیب سے سِگار جلانے کی برقی ڈبیہ نکالی ۔ اسے روشن کیا میز سے ایک قینچی اٹھائی اور اس کا پھل گرم کرنا شروع کیا ۔ سیتل اس عمل کو دیکھ رہا تھا اور زرد ہوا جاتا تھا۔

پھل سرخ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سیتل خوف سے لرزنے لگا۔

''ٹھہرو ۔ ایسا نہ کرو' بتائے دیتا ہوں ۔ صدر دروازہ کھول کر برقی لیمپ سے تین مرتبہ روشنی کرو۔''

مسعود نے ڈبیہ بند کی قینچی کو آتش دان میں ڈال دیا۔

''انسپکٹر صاحب اپنے آدمیوں کو حکم دیجئے کہ سیتل کو یہاں سے لے جائیں شاید ٹھاکر داس کے قتل کے مقدمے میں اس سے مدد ملے گی۔''

اپنے افسر کا اشارہ پاکر پولیس کے سپاہیوں نے سیتل کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ رسّی سے کمر مضبوط باندھی اور باورچی خانے کی طرف لے گئے ۔ مہراب جنگ نے دریافت کیا۔

''یہ بتاؤ کہ لالہ بنارسی داس نے اپنے آہنی صندوق کی کُنجی دی یا نہیں۔ اس میں کاغذات بند ہیں۔''

''بڑے شکّی مزاج کا آدمی ہے۔ بغیر اپنے وکیل کی موجودگی کے کاغذات دکھانے نہیں چاہتا کُنجی اپنے ساتھ لے گیا۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ مرزا کے آدمیوں کو جو ان کاغذات کے حاصل کرنے کے لیے مامور ہوئے ہیں اندر آنے دیا جائے ۔ مجھے آہنی صندوق کاٹنے کی مشق نہیں نہ میرے پاس اوزار ہیں ۔ علاوہ اس کے ایک دوست کی اجازت کے بغیر اس کے صندوق کو کھولنا اور کاغذات چُرانا ہمارے لئے زیبا نہیں ہے۔ آپ سب برابر کے کمرے میں چُھپ جائیں اور دروازہ بند کرلیں۔''

جب کمرہ خالی ہو گیا مسعود صدر دروازے پر گیا اور ایک پَٹ کھول کر تین مرتبہ اپنی برقی لالٹین سے روشنی کی اور دروازہ کُھلا چھوڑ کر دفتر کے کمرے میں پردے کے پیچھے چُھپ گیا۔ احاطے میں مرزا کے آدمی اشارے کے منتظر تھے آگے بڑھے ۔ دو آدمی صدر دروازے پر کھڑے ہو گئے ایک آدمی اوزاروں کا بیگ ہاتھ میں لئے غلام گردش میں آیا ۔ آہستہ آہستہ سیتل کو بُلایا مگر جواب نہ ملا۔ پھر کمرے میں داخل ہوا ۔روشنی کی اور آہنی صندوق کے پاس گیا جیب سے برقی برما نکالا ۔ بجلی کا رتار اس میں لگایا۔ دوسرا سِرا لے جا کر کمرے کے پلگ میں

لگایا جس سے برقی سلسلہ قائم ہو گیا۔ کُنجی کے روزن کے چاروں طرف سوراخ کئے جب چاروں طرف سے صندوق کا پٹ کٹ گیا ایک اور اوزار نکال کر خاص ترکیب سے سوراخ میں لگایا اور زور سے جھٹکا دیا۔ لوہے کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر گیا اور صندوق کُھل گیا۔ جلد جلد کاغذات کے پلندے اور رجسٹر نکال کر اپنے آگے ڈھیر کیا۔ایک تھیلی میں کچھ اشرفیاں ملیں جو آنِ واحد میں اپنی جیب میں رکھیں ۔ یہ آدمی ایسا مصروف تھا کہ اس نے مسعود کو پردے کی آڑ سے نکلتے اور اپنی طرف آتے نہ دیکھا ۔مسعود نے پستول کی نال اس کی کنپٹی کے پاس کی تو چونکا اور اپنے ہتھوڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔تم نے ذرا بھی جنبش کی اور میں نے پستول کی لبلبی دبائی۔''

اس آدمی نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور کھڑا ہو گیا۔

''سیتل یہاں کوئی دَم میں آتا ہوگا۔اور تمہارا خاتمہ کرے گا۔

مسعود ہنسا۔

گھبراؤ نہیں۔سیتل کے پاس ذرا دیر میں پہنچ جاؤ گے۔''

ہاتھ بڑھا کے بٹن دبایا۔ دوسرے کمرے میں جہاں اس کے دوست چُھپے ہوئے تھے' گھنٹی بجی اور سب لوگ دفتر کے کمرے میں آگئے ۔ انسپکٹر وقار حسین نے اس آدمی کو دیکھا اور کہا۔

'' تم ہو گٹی ۔''ہمیں بس یہ معلوم تھا کہ تم دہلی کی پولیس سے بچ کر کراچی چلے گئے اور وہاں تمھارے موجود ہونے کی حال میں اِطّلاع بھی آئی ہے۔''

''حضور ٹھیک کہتے ہیں مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اس جال میں پھنس جاؤں گا۔ میں کراچی سے آج شام کی گاڑی سے آیا ہوں ۔ خاص طور پر بُلایا گیا تھا۔ اور آج کی کامیابی پر بہت کچھ ملنے والا تھا۔ جو میری زندگی بھر کے لیے کافی ہوتا اور میں یہ خطرناک پیشہ چھوڑ کر آرام کی زندگی بسر کرتا ' میں نے آج کوئی چیز نہیں چرائی۔ آخر کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہوں؟حضور مجھے چھوڑ دیں تو آج ہی دہلی سے چلا جاؤں ۔ پھر کبھی واپس نہ آؤں گا۔حضور کی بڑی مہربانی ہوگی۔''

''لیکن تم بڑے خطرناک مجرم ہو لوہے کے صندوق کاٹنے میں خاص طور پر مشق رکھتے

ہو۔ تم بِلا اجازت اس گھر میں چوری کی نیت سے آئے تمھاری گرفتاری کے لیے وجہ کافی ہیں۔‘‘

مہراب جنگ نے انسپکٹر سے کہا۔

’’انسپکٹر صاحب گٹی کی رہائی کی میں بھی سفارش کرتا ہوں۔ اس کی گرفتاری کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ عدالت میں بھیجا جائے گا۔ جہاں ہم سب کو اس کی گرفتاری کی شہادت دینا ہوگی اور جس رازداری کے کام میں ہم مشغول ہیں وہ طشت از بام ہو جائے گا۔‘‘

’’بہتر ہو کہ آپ گٹی کی درخواست منظور کر لیں اور اسے چھوڑ دیں۔‘‘

انسپکٹر نے قدرے غور کیا۔

’’بہتر ہے کنور صاحب کی سفارش کو میں رد نہیں کر سکتا ۔لیکن یہ بتاؤ تمہیں یہاں کس نے بھیجا اور کیا چیز چُرانے کے لیے؟‘‘

’’حضور زیادہ مجھے نہیں معلوم، میں آج ہی آیا ہوں ۔سیتل نے تار بھیج کر بُلایا اور یہ کہا کہ مرزا بلگرامی کو چند کاغذات کی ضرورت ہے ۔ جو اس بکس میں ہیں۔سیتل ہمارا سردار تھا پہلے اس مے مکان میں جاراس باگڑ بلّے (مسعود) کو جو پستول لئے کھڑا ہے مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔معلوم نہیں سیتل نے اسے زندہ کیوں چھوڑا اور خود کہاں گیا؟‘‘

’’گٹی تم آزاد ہو ۔ خاموشی سے باہر جاؤ اور مرزا کے آدمیوں سے کہو کہ مکان پولیس سے بھرا پڑا ہے۔انھوں نے اندر قدم رکھا اور گرفتار ہوئے۔‘‘

’’تھوڑی دیر میں گٹی باہر گیا اور چند آدمی احاطے کی دیوار کی برف بھاگتے نظر آئے۔‘‘

مسعود نے دروازہ بند کیا اور ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ بکرم سنگھ کی حالت اب بہتر تھی سوائے نیلگوں نشان کے مرزا کے سانپ کے کاٹے کا اثر باقی نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کی ہمت اور جسارت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

............☆☆☆............

باب ۲۰

لال کٹھور

لالہ بنارسی داس ضابطہ اور قاعدے کا آدمی تھا۔ آہنی صندوق میں سے جو کاغذات کے بنڈل اور رجسٹر نکلے سب پر مضمون کی قیدک چسپاں تھی۔ ،مہراب جنگ نے جلد جلد بنڈلوں کو دیکھا اور ایک بنڈل کو ہاتھ میں اُٹھایا جس پر ''گوکھلے کے خطوط'' لکھا ہوا تھا۔ یہ سب مرہٹی زبان میں تھے۔جس سے مہراب جنگ بخوبی واقف تھا۔خطوط پر نظر ڈالی اور کہا۔

''یہ سب معمولی خطوط ہیں۔مختلف مضامین پر بھوپال کا کہیں کہیں ذکر ہے۔مگر اس کے راز کا اس میں کچھ پتہ نہیں۔صندوق کو غور سے دیکھا ۔ ایک طرف کھٹکا نظر آیا ۔ اسے دبایا تو ایک خانہ کُھل گیا اس میں چند ہنڈیاں' والیانِ ملک اور قومی لیڈروں کے رقعے جن میں بڑی بڑی رقوم قرضے کی درج تھیں برآمد ہوئے علاوہ اس کے ایک کتاب نکلی جو کسی طرف سے کھلتی نہ تھی ۔ دراصل یہ کتاب کی شکل کا ڈبہّ تھا برقی روشنی میں غور سے دیکھا گیا۔ اَبری کے نیچے ایک سوراخ نظر آیا ۔مسعود نے اپنے چاقو کا پھل ڈال کر دبایا تو کتاب کا پَٹ جو کسی کمانی سے دبا ہوا تھا کُھل گیا۔

''کنور صاحب کو جن کاغذات کی تلاش تھی۔اس میں ہیں۔''

مہراب جنگ نے ایک لفافہ سربمہر اٹھایا اور لفافہ چاک کر کے اس میں سے کئی صفحوں کا خط نکالا ۔جس پر گوکھلے کے دستخط تھے' مضموں مرہٹی زبان میں تھا شروع میں معمولی حالات تھے۔اس کے بعد ذیل کی عبارت درج تھی۔

''شکر ہے میری محنت رائیگاں نہیں گئی اور آخر کار میں اس دولت کے معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی تلاش میں مدّت سے بندیل کھنڈ مالوہ اور بھوپال کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا لیکن جو واقعات میں آپ کو لکھ کے بھیجتا ہوں ۔ ان سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اگرچہ میں

نے راز کو دریافت کر لیا ہے۔ مگر اس دولت کہ مالکہ ایک لڑکی ہے اور جب تک مجھے اس کا اطمینان نہ ہو جائے کہ لڑکی زندہ ہے یا مفقود الخبر ہے ۔میرا ضمیر اس پر قبضہ کرنے اور تصرّف میں لانے سے سخت ملامت کرتا ہے۔

بھوپال کے جواں بخت و جواں سال فرما نروا کی مسند نشینی جس تزک و احتشام سے ہوئی اسے کون نہیں جانتا ۔ آپ نے بھی اخبارات میں پڑھا ہو گا۔ وفادار اور کارگزار افسران ریاست کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا گیا۔ عہدیداروں کو ترقی ملی۔ غرباء اور محتاجوں کو نقدی اور غلّہ تقسیم کیا گیا۔ قیدی رہا ہوئے ۔ پرانے امراء کی جاگیر میں اضافہ ہوا اور منصب داروں کے مراتب بڑھا دیئے گئے، مستاجروں کے ٹھیکوں کی تجدید ہوئی۔

مستاجروں میں ایک پارسی انجینئر فریدوں جی بھی تھا۔ جس کوئی وارث یا نمائندہ دربار میں موجود نہ تھا اور اس کی سند مستاجری کی تجدید ملتوی کی گئی ۔ ابتدا فریدوں جی ریاست بھوپال میں ملازم تھا اور حضور سرکارِ عالیہ اس کی محنت اور کارگزاری سے بہت خوش تھیں۔ علاوہ تعمیرات کے فریدوں جی نے علم معدنیات کی بھی تعلیم پائی تھی ۔ دراصل اس شعبے میں اسے بہت شغف تھا۔ ریاست بھوپال کو قدرت نے اپنی فیّاضیوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ زرخیز زمین کے ساتھ بکثرت پانی، قیمتی جنگل اور معدنیات کی فراوانی ہے لیکن معدنیات کی طرف توجّہ بہت کم کی گئی ۔کبھی کبھی انجینئر آئے اور مہینوں جنگلوں کا دَورہ کیا۔ شکار کھیل کر واپس چلے گئے ۔کسی نے سرگرمی اور استقلال کے ساتھ معدنیات کی تلاش نہ کی حالانکہ بھوپال اور اس سے اوپر بندیل کھنڈ میں پرانے مقولے اور کہاوتیں بکثرت مشہور ہیں ۔ جس سے اس علاقے میں معدنیات کی فراوانی کی طرف اشارہ ہوتا ہے مثلاً اونچی ٹوریا لال کھٹور جس میں گڑے چھپّن کڑور۔

بندیل کھنڈ ۔گوالیار اور وسط ہند کے تمام پہاڑی علاقوں، گاؤں گاؤں لوگوں کی زبان پر صدیوں سے ہے ۔ بظاہر یہ شعر کسی پوشیدہ خزانے کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ خزانہ ہے کہاں؟ کبھی بندیل کھنڈ خیال کیا گیا اور اگرچہ یہ علاقہ اجاڑ اور سنگ بستہ ہے لیکن ہندوستان کی بڑی بڑی لڑائیاں یہاں ہوئی ہیں ۔محمود غزنوی کی فوجیں کالنجر اور باندہ

تک اسی خزانے کی جستجو میں بڑھتی چلی آئیں۔ آلہا اور اودل کی مشہور لڑائی جو تمام ہندوستان میں بھاٹ گاتے ہیں دراصل اسی خزانے پر قبضہ کرنے کے لیے تھی۔ اکبر نے اپنے وزیر ابوالفضل کو اسی خزانے کی تلاش میں بھیجا اور یہی وجہ تھی کہ بیر سنگھ بندیلہ نے گوالیار کے قریب اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ اس خزانے کو بندیلوں کا حق سمجھتا تھا۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانے میں بندیل کھنڈ اور وسطِ ہند میں فوج کشی کسی حقیر اور بے مایہ جاگیر کی سزا کے لیے نہیں تھی ۔ یہ صرف بہانہ تھا۔ دراصل مقصود یہی دولت تھی۔ مرہٹوں نے جب شمالی ہندوستان کا رخ کیا تو وسطِ ہند اور بندیل کھنڈ کے تمام جنگلوں کو چھان مارا۔ انگریزی سلطنت قائم ہو جانے کے بعد اس علاقے میں فوج کشی کا موقع باقی نہ رہا لیکن بہت سے لوگ فرداً فرداً یا چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر اس علاقے میں سونے کی تلاش میں آتے اور دشت نوردی کرتے رہے۔ کوئی مہوبہ اور سرینگر کے جنگلوں میں جاتا اور کوئی دَتیا' گوالیار اور اُجّین کے علاقوں میں تلاش کرتا۔

بھوپال کے سرسبز اور شاداب ملک کی طرف لوگوں اس قدر گرویدگی نہ تھی۔ فریدوں جی جس زمانے میں فرمانروائے ملک کے حکم سے سڑکیں' تالاب اور عمارات جابجا بناتا پھرتا تھا۔ سانچی ٹوپ کے تاریخی اور نادرالوجود آثار کی مرمّت کرتے وقت اسے ایک دن یکا یک یہ خیال پیدا ہوا کہ گوتم بدھ کی ایسی لاجواب یادگار وسطِ ہند میں قائم ہونا کچھ معنی رکھتی ہے۔ گوتم شمالی ہندوستان میں پیدا ہوا بنارس کے قریب سارناتھ میں بیٹھ کر اس نے اپنی عالمگیر تعلیم کا آغاز کیا اور اس کا مذہب تقریباً تمام ہندوستان میں پھیل گیا اور کوہ ہمالیہ کی سر بہ فلک دیوار کو عبور کر کے چین اور جاپان تک پہنچ گیا ۔ یوں تو گوتم بدھ کی یادگار میں ہندوستان کے ہر حصّے میں عمارتیں پائی جاتی ہیں مگر سانچی ٹوپ اپنی آپ مثال ہے۔ جس علاقے میں یہ عمارت ہے وہاں آبادی کم ہے اور یہاں کے باشندے مفلس' جاہل اور ادہام پرست ہیں' پھر ایسی شاندار عمارت کا یہاں بنانا معنی سے خالی نہیں ممکن ہے کہ وہ دولت جس کی طرف

اونچی ٹوریا لال کھٹور
جس میں گڑے چھپّن کروڑ

میں اشارہ کیا گیا ۔ سانچی ٹوپ کے قریب ہو! سانچی ٹوپ کے متعلّق جتنی کتابیں جہاں کہیں مل سکیں، پڑھی گئیں ۔گرد ونواح کے تمام علاقہ کی پیمائش کی اور جا بجا زمین کو کھودا ۔ آخر کار ایک نقشہ کی مدد سے جو بدھ مذہب کی ایک پرانی کتاب میں سے ملا تھا، وہ پہاڑی کے بارے میں معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں یہ دولت زیر زمین مدّت سے پڑی تھی ۔ اس پہاڑی کے معدنیات پر تصّرف کرنے کے لیے اسے سرکارِبھوپال سے باضابطہ اجازت کی ضرورت تھی چنانچہ اس خیال سے کہ کسی کو یہاں سونے کی کان ہونے پر شبہ نہ ہو، اس علاقہ کو مستاجری میں ۱۳ سال کے لیے حاصل کیا ۔ ریاست بھوپال سے جو سند فارسی زبان میں اسے ملی تھی اس خط کی ساتھ ملفوف ہے۔

اس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ رُو سے فریدوں جی کو سانچی ٹوپ کے گِردو پیش کئی میل تک علاوہ جنگلات کی پیداوار کے معدنیات تلاش کرنے حقوق عطا کئے گئے ہیں اور اس علاقہ میں دوسرے لوگوں کو شکار کھیلنے تک کی ممانعت کی گئی ہے ظاہر ہے کہ جنگلات کا اجارہ محض پردہ تھا اور اصل مقصود وہ دولت تھی جو لال کھٹور میں پوشیدہ ہے۔ میں شانچی ٹوپ کے نواح میں گھوم پھر کر سام کو بنگلہ میں چلا جاتا تھا۔ رات کو کتابیں پڑھ کر دل بہلاتا۔ میرے ساتھ جو کتابیں تھیں چند روز میں ختم ہو گئیں۔ ڈاک بنگلہ کے ملازم سے معلوم ہوا کہ بہت سی کتابیں اور کچھ سامان فریدوں جی کی موت کے وقت ان کے ساتھ تھا ایک کوٹھری میں بند پڑا ہے۔ میں نے کوٹھری کُھلوائی کئی کتابیں آثار قدیمہ کے متعلق تھیں جس میں سانچی ٹوپ کا حال بھی درج تھا۔ ان کتابوں میں فریدوں جی کے روزنامچے بھی تھے۔ جنھیں میں نے بڑے غور سے پڑھا اور ان ہی کی مدد سے میں آپ کو لال کھٹور کے متعلّق یہ سب حالات لکھنے کے قابل ہوا ہوں ۔ علاوہ اس کے مشہور پارسی شاعر دستور جی کا دیوان گجراتی زبان میں ملا جو اکثر فریدوں جی کے مطالعے میں رہتا تھا۔ دیوان کی اوراق گردانی کرتے وقت ایک صفحہ پر چھوٹا سا نقشہ نظر آیا جس میں لال کھٹور کا لکھا ہوا تھا۔

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، میں نے یقین کر لیا کہ یہ وہی نقشہ ہے جس کی مدد سے فریدوں جی نے لال کھٹور کو دریافت کیا ہے۔ اس کتاب کو میں نے جیب میں رکھا جب میں

جنگل اور پہاڑیوں میں خزانے کی تلاش کرنے نکلتا تو نقشے کو پیشِ نظر رکھتا۔ اس نقشے میں ایک لکیر ندی یا چشمے کی بنی ہوئی ہے سانچی ٹوپ سے کچھ دور دو پہاڑیوں کے درمیان ایک چشمہ بہتا ہے جس نے آگے چل کر تالاب کی صورت اختیار کر لی ہے ۔اس کے کنارے پہاڑوں کی کئی ایک اونچی چوٹیاں تھیں میں نے ان پہاڑوں میں گشت لگایا اور چوٹیوں پر بیٹھ کر گھنٹوں سوچتا اور ہر طرف نظر دوڑاتا رہا۔ لیکن لال کھٹور جسے میں پرانے زمانے کی عمارت سمجھتا تھا کبھی نظر نہ آتی تھی ۔اگر چہ مجھے یقین تھا کہ یہیں کہیں اس ندی کے کنارے ہے۔

ایک دن ندی کے کنارے ایک شکارِی کو ساتھ لیے جا رہا تھا ۔ دونوں طرف پہاڑیاں اور گھنا جنگل تھا شام ہونے کو تھی۔ یکا یک مور بولنے اور لنگور درختوں پر چڑھ کر خوخیانے لگے۔ یہ علامت کسی درندے کی موجودگی کی ہے ہم ایک چٹان کے پیچھے خاموش کھڑے ہو کر ہر طرف دیکھنے لگے پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے پر ایک جھاڑی سے چڑیاں جو بسیرے کے لیے جمع ہو رہی تھیں یک لخت اڑیں ۔ اس جھاڑی سے ایک بڑا شیر آہستہ آہستہ برآمد ہوا ۔ چٹان پر کھڑے ہو کر اس نے پنجے سے دو ایک بار منہ کو پونچھا پھر انگڑائی لی۔ یہ نظارہ بڑا دلفریب تھا...... میں نے آہستہ سے اپنا رائفل اٹھایا اور فائر کیا شیر اس زور سے گرجا کہ تمام جنگل گونج اٹھا ۔ اسی کے ساتھ شیر نے ایک جست لگائی اور جھاڑی میں غائب ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ گولی دل کے قریب کاری لگی ہے اور شیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن شام ہو گئی تھی اور اس وقت زخمی شیر کو تلاش کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ دبے پاؤں پیچھے لوٹا دوسرے دن صبح کو واپس آیا اور احتیاط کے ساتھ شیر کو تلاش کرنے لگا' جہاں شیر کے گولی لگی تھی خون کا کوئی نشان نہ تھا۔ لیکن کچھ دور چل کر خون ملا' کھوج لگاتا ہوا تھوڑی دور گیا شیر گولی کھا کر نالے کے پار کُودا گیا ایک کھوہ کے منہ پر شیر کی دُم اور ایک پچھلا پٹّھا نظر آیا۔ میں فائر کیا لیکن شیر نے مطلق جنبش نہ کی ۔ مجھے یقین ہو گیا کہ شیر کبھی کا مر چکا ہے' کل شام کو گولی کاری لگی۔ اپنی کچھار کے اندر جانا چاہتا تھا لیکن داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مر گیا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ شیر مردہ ہے میں شکاری کو گاؤں سے مزدور لانے کے لیے بھیجا اور کھوہ کے منہ کے پاس بیٹھ گیا اور دستولہ جی شاعر کا دیوان کھولا جو ہر وقت میری جیب میں رہتا تھا ۔ لال کٹھور کا نقشہ اس دیوان میں تھا۔ اس پر نظر پڑی تو خیال

ہوا کہ درختوں کے قریب جو گول دائرہ بنا ہے ممکن ہے کہ وہی سوراخ ہو ۔جس میں شیر نے اپنی کچھاڑ بنا رکھی ہے۔ اس کے قریب ۳۰۰ لکھا ہوا تھا۔ کھڑا ہوا اور ندی کے طرف قدم گِنتا ہوا گیا۔ٹھیک تین سو قدم پر یہاں سے ندی تھی۔ دوڑتا ہوا واپس آیا جَھولے سے برقی مشعل نکال کر روشنی اندر ڈالی اس میں جانوروں کی ڈھیروں ہڈّیاں پڑی تھیں اور سخت بدبو آ رہی تھی کھوہ اندر دائیں جانب چند سیڑھیاں نظر آئیں ۔ ایک ہاتھ میں پستول لے کر میں کچھار کے اندر کود پڑا ۔ دس بارہ سیڑھیاں اترا تو ایک مستطیل کمرے میں پہنچ گیا ۔ سامنے چٹان میں کٹی ہوئی گوتم بدھ کی بڑی سی شبیہہ تھی اس کے دونوں طرف دیوار میں قد آور اونچائی پر بہت سے طاق تھے ۔ ہر طاق میں بُدّھا کا ایک ایک بت تھا۔ سب ایک جسامت کے نہ تھے بلکہ مختلف میں نے خیال کیا کہ غالبًا اس کھوہ میں کوئی معتقد فقیر رہتا تھا ۔جو جنگل کی خاموشی میں بُدّھا کے بتوں کو پیش نظر رکھ کر عبادت کرتا اور نروان اور شانتی کے مسائل پر غور کرتا ہوگا۔ طاق میں سے بت کو اُٹھایا تو بہت وزنی معلوم ہوا مِٹّی جھاڑ کر چاقو سے کُھرچا تو ٹھوس سونا پایا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی ان طاقوں میں لاکھوں کی مالیت کا سونا چُنا ہوا تھا۔ میرے جَھولے میں وزن کرنے کا ایک کانٹا بھی تھا ۔ اس کی مدد سے میں نے تمام بتوں کو تولا اور دستور جی کے دیوان کی دفتی پر وزن لکھ لیا بعض بت زیادہ وزنی تھے ۔ان کا وزن اندازاً لکھ دیا تھا سب سے چھوٹا بت رومال میں لپیٹ کر اپنی جھولی میں رکھا اور خاموشی سے جائے قیام پر واپس آ گیا۔ فریدوں جی نے اپنے روزنامچے میں اس غار کا ذکر کیا ہے مگر اسے شیر کی کچھار لکھا ہے۔ ہڈیوں کے انبار سے معلوم ہوتا ہے کہ مدّتوں سے یہ غار شیر کا مسکن تھا کسی آدمی کو اس کے اندر جانے کی جراَت نہیں ہوسکتی تھی ۔ یہ محض اتّفاق تھا کہ میں نے شیر مار لیا اور باوجود سخت تعفّن اور ہڈّیوں کے انبار کے' شوق مجھے اس کے اندرونی حصّے کی تلاش میں لے گیا جو خزانہ مجھے ملا تھا وہ کم نہ تھا۔لیکن ظاہر تھا کہ لال کٹھور جس میں چھپّن کروڑ کی موجودگی خیال کی جاتی تھی وہ یہ جگہ نہیں ہوسکتی تھی اگرچہ اتنا بہت سا سونا اس بات کا ثبوت تھا کہ سونے کی کان یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوسکتی جہاں سے سونا نکال کر یہ بت بنائے گئے تھے ۔ میں تلاش جاری رکھی اور خدا نے مجھے کامیاب کیا' ندی کے دوسری جانب ایک اونچی پہاڑی پر ایک پرانی

عمارت کے آثار ہیں شاید کسی فقیر کی کُٹی ہو گی۔ اس کے قریب ہی فریدوں جی نے ایک چھوٹا سا خوش پوش بنگلہ بنایا تھا جس کی اب صرف دیواریں باقی ہیں ۔ یہاں فریدوں جی کتابوں اور نقشے کے مطالعے میں مصروف رہتا تھا اس خیال سے کہ شاید کہیں اس جگہ سونے کی کان ہو۔

کھودنا شروع کیا۔ سونے کے آثار تو یہاں نہیں ملے لیکن ٹین کا ایک صندوقچہ برآمد ہوا جو زنگ آلودہ تھا اسے توڑا تو چند نقشے اور خطوط ملے اور موم جامے کے ایک لفافے میں سرکارِ عالیہ بھوپال کا وہ فرمان ملا جس کی رُو سے اس علاقے کا اجارہ فریدوں جی کو مرحمت ہوا۔ خطوط میں ایک خط گجراتی زبان میں فریدوں جی کی لڑکی ہیرا بائی کا تھا۔ فرمان اور اس خط کو میں نے اپنی جیب میں رکھا۔ ایک نقشے پر اس پہاڑی کا نشان بنا تھا اور وہاں سے ندی کی طرف چند مقامات کا فاصلہ درج تھا اور ایک لال کٹھور لکھا تھا۔ میں نے اپنے شکاری کو کسی کام سے بھیج دیا اور کدال ہاتھ میں لے کر نقشہ کی مدد سے قدم گِنتا ہوا نیچے اترا ۔ ایک ٹیلے پر پہنچا اور اس کی جڑ میں کھودنا شروع کیا دو فٹ بھی مِٹّی نہ ہٹائی تھی کہ کدال کسی سخت چیز پر پڑی ۔ جس جگہ کدال کی نوک لگی تھی ۔ سونا نظر آیا۔ دوسری طرف بھی یہی عمل کیا تو وہاں بھی سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے ملے کئی جگہ کھود کر میں نے اطمینان کر لیا کہ اس ٹیلے کے نیچے بے انداز دولت دفن ہے اور لال کٹھور دراصل کسی عمارت کا نام نہیں بلکہ اسی پہاڑی کا نام ہے۔ جلد جلد مٹّی اور پتھر سے سارے سوراخوں کو بند کر دیا اور مسکن پر واپس آ گیا۔

اس دن شام کو میں نے گھی کا چراغ جلایا۔ گنپتی دیوی کی مورتی سامنے رکھی اور بڑے جوش اور خلوص کے ساتھ سندھیا میں مصروف ہوا اور بھگوان کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ جیسے غریب اور گنہگار آدمی کو اتنی دولت دی' اس محویت کے عالم میں گنپتی دیوی کا ہاتھ اٹھا اور ملامت کی انگلی میری طرف بڑھی اور میں محسوس کیا کہ کوئی بول رہا ہے۔

''گوکھلے ! تجھے شرم نہیں آتی ' دوسرے کے مال کو تو اپنا سمجھتا ہے۔ قانون اور انصاف کی رُو سے لال کٹھور کی مالک فریدوں کی لڑکی ہے جا اور اسے تلاش کر!''

''میں ساری جان سے لرز رہا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے دیوی جی کے بچن پر خیال کیا اور ارادہ کر لیا کہ جب تک فریدوں جی کی وارث نہ ملے یا

اطمینان نہ ہو جائے کہ اس کا کوئی وارث زندہ نہیں ہے اس دولت کو صَرف نہ کروں گا۔

ممکن ہے کہ فریدوں جی کی لڑکی سے معاملہ طے ہو جائے اور آسانی سے خزانے کا نصف حصّہ مجھے دینے پر تیار ہو جائے آدھا حصّہ بھی کروڑوں کا ہو گا ۔آپ کی بڑی مہربانی ہو اگر آپ پانچ سو روپے بھوپال کے پتے پر بھیج دیں ۔ میں اوّل وہاں جا کر فریدوں جی کی اولاد کے متعلق دریافت کروں گا پھر آپ کے پاس آؤں گا۔ چند روز سے اس علاقے میں ایک شخص مہابیر جو اپنے آپ کو مرزا بلگرامی کا مرید بیان کرتا ہے چند پنجابی آدمیوں کے ساتھ آیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بھی لال کٹھور کی تلاش میں گھوم رہا ہے' اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہے ۔اصلی فرمان کا پانے پاس رکھنا مناسب نہیں اس لئے آپ کے پاس اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں تاکہ حفاظت سے رہے۔ اگر خدانخواستہ فریدوں جی کی طرح میں بھی مار ڈالا گیا تو یہ راز آپ کے پاس محفوظ رہے گا اگر میں اس دولت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا تو آپ اس کے مالک ہوں گے۔''

بہرام نے خط میز پر رکھا

''لیجئے لال کٹھور کا معمہ حل ہو گیا ۔معلوم ہوتا ہے خط لکھنے کے بعد گوکھلے بھوپال گیا اور وہاں سے اس نے اس علاقے کے اجارے کے متعلق سرکاری دفتر میں کچھ دریافت کیا ہوگا کہ حال میں کسی اور کو تو نہیں دیا گیا ہے۔ بلگرامی کے آدمی اس کی نگرانی پر تھے۔ انہیں بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اِجارہ کی مدّت ۱۶ فروری ۱۹۲۸ء کو ختم ہوتی ہے اور اس کو اِطّلاع کر دی ہوگی۔ ڈاک خانے سے یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ گوکھلے نے اک خط بذریعہ رجسٹری لالہ بنارسی داس کو بھیجا ہے اور اس کی روانگی کے چند روز بعد پانچ سو روپے دہلی سے وصول ہوئے ہیں ۔ یہ معلوم کر کے مدّتِ اِجارہ کے خاتمہ کا زمانہ اس قدر قریب ہے ۔گوکھلے دہلی آتا ہے تاکہ ہماری مدد سے ہیرا بائی کی تلاش کرے اور اسے تجدیدِ اِجارہ کی درخواست بھیجنے کی صلاح دے' لیکن وہ دہلی آتے ہی قتل کر دیا جاتا ہے ۔ اصل سند کا درخواستِ اِجارہ کے ساتھ بھیجنا ضروری ہے اور یہی وجہ تھی کہ لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر اس کے حاصل کرنے کے لیے آج شب کو حملہ کیا گیا۔''

''لیکن ہیرا بائی کو معلّمہ کی ملازمت دینے سے بلگرامی کا کیا مطلب تھا؟''

''اس نے نیز اس کے مکان پر حملہ کرنے کا یہ مطلب تھا کہ ہیرا بائی کو اپنے قبضے میں کیا جائے تا کہ وہ تاریخِ مقررہ تک تجدیدِ اِجارہ کی درخواست نہ بھیج سکے یا اسے مجبور کر کے اپنے آپ کو اس کا مختارِ عام بنایا جائے اور اس کی دولت پر قبضہ کیا جائے۔''

مسعود نے دریافت کیا۔

''لیکن کنور صاحب' کیا یہ مطلب ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا ؟ ممکن ہے کہ ہمارے اشتہاری صوفی مرزا بلگرامی کو ہیرا بائی جیسی صورت دار لڑکی کی طرف زیادہ التفات نہ ہو' لیکن اس کا رفیق رستم جی جسے صنفِ نازک اس قدر عزیز ہے اس خیال سے کب باز رہ سکتا ہے ۔سیٹھ جی بڑے کاروباری آدمی اور لال سوداگر ہیں۔ بیوی کے ساتھ لال کٹھور کی بے اندازہ دولت بھی جہیز میں مل جائے تو کیا مزائقہ ہے اگر میرا خیال صحیح ہے تو بلگرامی اور رستم جی میں بہت جلد زور آزمائی ہو گی۔''

''مسعود تمہارا خیال درست ہے تو ہیرا بائی کی حفاظت کا معقول انتظام ہونا چاہئے۔''

وہ ٹیلی فون کے پاس گیا اور آلہ اُٹھا کر میرٹھ سے دریافت کرنا چاہا مگر بالکل خاموشی' گھنٹی تک نہ بجی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ بلگرامی کے آدمیوں نے یہاں حملہ کرنے سے پہلے تار کاٹ کر ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا ہے۔مسعود اُٹھو۔میرٹھ چلیں۔''

☆☆☆

باب ۲۱

دوسرا حملہ اور کامیابی

ناظرین واقف ہیں کہ مرزا بلگرامی کے غول کا پہلا حملہ جو ہیرا بائی کے لے جانے کے لیے کیا گیا تھا۔ ناکامیاب رہا اور مسعود کے عین وقت پر میرٹھ پہنچ جانے کی وجہ سے غول کے دو آدمی زخمی اور ایک پولیس حوالات میں بھیج دیا گیا تھا۔ مسعود کو اطمینان تھا کہ مرزا کے مرید چند روز میرٹھ کی طرف رخ نہ کریں گے ۔ علاوہ اس کے لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر پوری قوت سے دھاوا کیا گیا تھا اس لئے نہ تو بہرام اور اس کے دوستوں کو نہ انسپکٹر وقار حسین کو اس کا اندیشہ تھا کہ ہیرا بائی کے مسکن کی طرف فوری توجّہ کی جائے گی۔ انھیں اطمینان تھا کہ ننھے خان اور درگا پرشاد جنھیں نگرانی پر مامور کیا تھا احتیاط سے کام لیں گے اور حفاظت کے لئے کافی ہیں لیکن مرزا بلگرامی اور رستم جی کے نزدیک ہیرا بائی کو اپنے قبضے میں کرنا از بس ضروری تھا۔

دن بھر بڑے سکون سے گزرا ۔ ہیرا بائی نے حسبِ معمول زیادہ وقت باغ میں بسر کیا۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر اپنی پھوپھی کا دل پیانو بجا کر بہلایا اور نو بجے کے قریب دوسری منزل پر اپنی خوابگاہ میں جا کر سو گئی ۔ درگا پرشاد جس کا زخم ابھی تکلیف دے رہا تھا۔ پشت کی جانب برآمدے میں لیٹ رہا۔ ننھے خان بارہ تک جاگتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ بادل شام سے گھِرے ہوئے تھے بجلی چمکتی، تیز ہوا چلی اور بوندیں پڑنے لگیں وہ برآمدے میں آ کر ایک بینچ پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر میں غافل سو گیا۔

ہیرا بائی آدھی رات تک بے خبر سوتی رہی ۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سے کئی بار آنکھ کُھلی ۔ اس نے محسوس کیا کہ کھڑکی کے شیشوں پر کوئی شے لگی یہ بوندیں نہ تھیں بلکہ کوئی

سخت چیز' ذرا دیر بعد پھر یہی ہوا وہ پلنگ سے اٹھی اور کھڑکی کا پٹ کھولا کسی کے سسکیاں لینے کی آواز کان میں آئی گردن باہر نکال کر دیکھا تو اوڑھے لپیٹے باہر کوئی کھڑا ہے پوچھا ''کون ہے؟'' تو جواب ملا۔

''میں......ہوں......کملا بائی۔''

اور زور سے سسکیوں کی آواز آئی۔

''تم یہاں کہاں؟ خیر تو ہے؟''

''بڑی مصیبت میں ہوں خدا کے لیے اندر آنے دو۔''

ہیرا بائی بڑی نرم دل لڑکی تھی کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھ کر اس کا دل بے قرار ہو جاتا تھا کھڑکی کو کُھلا چھوڑا۔ ایک شال سر پر ڈال زینہ سے اُتر کر نیچے آئی۔ صدر دروازے کا پَٹ کھولنا تھا کہ ایک آدمی نے اس کی کلائی پکڑی' منہ پر ہاتھ رکھا اور اندر آ گیا۔ دو اور آدمی جو برآمدے میں چُھپے ہوئے تھے مکان میں داخل ہوئے اور ان کے پیچھے کملا بائی نشست کے کمرے میں آئے۔ ہیرا بائی کو ایک کوچ پر لِٹا دیا۔ ایک آدمی نے جیب سے بے ہوشی کی ایک شیشی نکالی۔ جس میں ربڑ کی نلکی اور ایک طرف ہاتھ سے دبانے کی گیند تھی۔ ہیرا بائی کے منہ پر ایک موٹا کپڑا ڈال کر آدمی نے ربر کی گیند دبانی شروع کی۔ ہیرا بائی نے خود کو چُھڑوانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن بالکل بے بس تھی سانس کے ساتھ کوئی شے میٹھی میٹھی اس کی ناک اور منہ میں گئی' سر چکرایا اور ذرا دیر میں بے ہوش ہو گئی۔

کملا بائی جو علیحدہ کھڑی زار و قطار رو رہی تھی آگے بڑھی۔

''یہ کیا کرتے ہو تم تو کہتے تھے ہیرا بائی کو نہ ستاؤ گے؟''

رستم جی نے غصّہ سے کہا۔ ''خبردار! چپ رہو' جاؤ باہر۔''

کملا بائی غلام گردش میں چلی گئی۔ ہیرا بائی کو ایک کمبل میں لپیٹ کر دو آدمی باہر لے گئے اور موٹر لاری تیزی سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہیرا بائی کو ہوش آیا۔ کملا بائی سامنے نشست پر بیٹھی تھی' منہ سے کمبل ہٹا کر کملا بئی کو غصّہ اور حقارت سے دیکھا وہ بہت غمگین اور پشیمان معلوم ہوتی تھی۔

ہیرا بائی نے دریافت کیا۔

’’تم نے ایسا کیوں کیا؟ تمہیں خدا سمجھے۔‘‘

کملا بائی بولنے بھی نہ پائی تھی کی رستم جی نے سختی سے کہا۔

’’چپ رہو۔ تم نے زیادہ بک بک کی تو اچھا نہ ہوگا۔‘‘

ہیرا بائی بے بس تھی سوائے خاموشی کے اور کیا چارہ تھا۔ طرح طرح کے وہم اس کے دل میں آتے تھے۔ نا امّیدی کا غلبہ تھا پھر یکا یک خدائی فوجداروں کا خیال کیا تو قدرے اطمینان ہوا۔ مسعود اور اس دوست اس کے نگراں ہیں تو کبھی نہ کبھی ان ظالموں کے چنگل سے اسے رہائی ضرور ملے گی۔ خاموش لیٹ گئی۔

باوجود تند ہَوا بارش اور بجلی کی چمک کے لاری تیزی کے ساتھ جا رہی تھی ۔ کچھ دیر بعد ایک بڑی موٹر بہت تیز رفتاری سے دہلی کی طرف سے آئی بجلی کی طرح گزر گئی ۔ کاش اسے معلوم ہوتا کہ اس موٹر میں مسعود اور بہرام اس کی مدد کو جا رہے ہیں ۔ کچھ دور چل کر لاری ایک پُل سے گزری یہ جمنا کا پُل تھا۔ اس نے خیال کیا کہ وہ دہلی جا رہی ہے۔ صبح ہرنے کو تھی کہ لاری ایک پھاٹک پر رکی اس وقفہ کے درمیان ہیرا بائی نے اپنی ایک شیشے کی چُوڑی دوسرے ہاتھ سے توڑی اور ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر چُوڑی کے ٹکڑے پھینک دیئے۔ رستم جی نے دوبارہ سیٹی بجائی پھاٹک کُھلا اور لاری احاطہ کے اندر داخل ہوئی اور ایک عجیب وضع کے مکان کے سامنے جا کر رک گئی ۔ رستم جی نے ہیرا بائی کے نیچے اتارا۔ وہ گرد وپیش کی چیزوں کو اچھی طرح دیکھنے بھی نہ پائی تھی کہ رستم جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا۔ تین چار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔

ہیرا بائی نے اپنے آپ کو مرزا بلگرامی کے سامنے پایا اور ساری جان سے لرز گئی ۔

اس وقت دہلی کی مخلوق آرام سے سو رہی تھی لیکن مرزا ایک کرم خوردہ اور بوسیدہ کشمیری چوغہ اور مخمل کا کنٹوپ پہنے ہوئے آرام کرسی پر دراز تھا۔ آتش دان میں آگ جل رہی تھی ۔ایک کتاب جس میں دھاتوں کے قلبِ ماہیت کرنے پر طویل بحث تھی زیرِ مطالعہ تھی، میز پر رکھی، اور ہیرا بائی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''بائی جی ! جو تکلیف آپ کو ہوئی اس کا مجھے بہت افسوس ہے لیکن یقین کیجئے کہ آپ یہاں آرام سے رہیں گی۔''

ہیرا بائی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن رستم جی نے دریافت کیا۔

''کیا آپ انھیں اپنی کوٹھی میں رکھنا چاہتے ہیں؟''

نہیں' یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر' جو دہلی کے پُر آشوب زمانہ میں بڑی بڑی شاہزادیوں کی آرام گاہ رہ چکی ہے۔ اور آپ کی چھوکری کملا کہاں ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی دو چار دن بائی صاحبہ کے ساتھ رہے اور ان کا دل بہلائے۔''

ہیرا بائی بالکل بے بس تھی سوائے خاموشی کی کوئی چارہ نہ تھا لیکن دل میں یہ یقین تھا کہ خدائی فوجدار خصوصاً مسعود اس کی مدد کو کبھی نہ کبھی ضرور پہنچے گا۔

مرزا بلگرامی نے ہیرا بائی کا ہاتھ پکڑا دروازہ کھول کر باہر لے گیا۔ کملا بائی برآمدہ میں ایک کرسی پر بیٹھی ٹھٹھر رہی تھی۔ رستم جی نے اسے ساتھ لیا اور بلگرامی کے پیچھے ہو لیا۔

مغربی گوشے میں قدیم عمارت کا کھنڈر تھا وہاں پہنچ کر بلگرامی نے ایک جگہ سے اینٹیں اور مٹّی پیر سے ہٹائی اور ایک لوہے کا پَٹ کنڈا پکڑ کر اُٹھایا' زینہ اتر کر نیچے پہنچا اور ذرا دیر میں تہہ خانہ برقی روشنی سے منّور ہو گیا۔ کملا بائی کو نیچے اترنے پر تامّل تھا لیکن رستم جی کے سمجھانے پر وہ بھی آ گئی۔ بڑے کمرے میں دو نفیس پلنگ اور چند کرسیاں تھیں ایک طرف صندوق میں نئے کپڑے بھرے تھے اور چھوٹی میز پر پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا۔

مرزا بلگرامی نے صندوق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بائی صاحبہ ! اس صندوق میں ہر قسم کے کپڑے ہیں امید ہے کہ آپ انھیں پسند کریں گی۔ اس الماری میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہیں ہر روز آپ کو تازہ دودھ اور گرم کھانا یہاں بھیجا جائے گا' مجھے امید ہے کہ آپ یہاں آرام سے رہیں گی۔ مہربانی کرک ے دن کے وقت روشن دان پر پردہ ڈال لیا کیجئے گا۔''

سرتم جی کملا کو برابر کے کمرے میں لے گیا اس میں بھی نئی وضع کا سامان تھا ایک طرف سنگ مرمر کا غسل خانہ جس میں اپنی کا نل لگا ہوا تھا کملا بائی نے کہا۔

’’لیکن باہر جانے کا راستہ کون سا ہے؟ اس کمرے میں بند پڑے پڑے گھبرا جاؤں گی ٹہلنے اور چہل قدمی کرنے کی جگہ کہاں ہے؟‘‘

’’پیاری کملا غور سے سنو۔ بے شک یہ جگہ تمہارے رہنے کے لائق نہیں ہے مگر تمہیں دو چار دن سے زیادہ رہنا نہ پڑے گا۔ کل شب کو میں آؤں گا اور تمہیں سیر کے لیے لے جاؤں گا۔ اس وقت تک خاموشی سے دورے کمرے میں ہیرا بائی کے ساتھ رہوا ور اس کا دل بہلاؤ۔‘‘

’’اور ہیرا بائی کا کیا حشر ہوگا؟‘‘

’’کچھ نہیں وہ چند روز یہاں قیام کرے گی لیکن اطمینان رکھو کہ اس کا بال تک بیکا نہ ہوگا۔‘‘

’’تو پھر اسے قید میں کیوں رکھا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔‘‘

’’معاملہ یہ ہے کہ ہیرا بائی ایک بڑی دولت کی مالک ہے جو ریاست بھوپال میں زیرِ زمین دفن ہے کروڑوں روپے کا سونا۔ تمھارے وہم و خیال میں بھی نہ ہوگا‘ اگر تاریخِ مقررہ تک ہیرا بائی اس جائیداد کا دعویٰ کرنے سے قاصر رہے گی تو یہ ہمارے قبضے میں آجائے گی اور ریاست بھوپال سے ہمیں اِجارہ مل جائے گا۔‘‘

’’اب میں سمجھی میرا شک ختم ہوگیا۔ بہتر ہے‘ میں ہیرا بائی کے ساتھ رہوں گی اور اس دل بہلاؤں گی۔ وہ بڑی اچھی اور بھولی لڑکی ہے اور وہ آتش دان کے پاس کالی بانات کے غلاف میں کیا رکھا ہے؟‘‘

’’ہاں اس کے متعلق کہنا ہی بھول گیا۔ بلگرامی کی سخت ہدایت ہے کہ اسے کوئی نہ چھوئے۔ خبر دار اس کے پاس نہ جانا۔‘‘

بہت اچھا‘ تو کل شام کو تھیٹر لے چلو گے؟ لیکن......‘‘

’’ضرور‘ لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتی تھیں؟‘‘

’’اس وقت مجھے خدائی فوجداروں کا خیال آیا ہے ان کو ہیرا بائی کے قید ہونے کا پتہ چل گیا تو خیر نہیں۔ پہلے بھی تو یہی مُردار اسے تھیٹر سے چھین لے گئے تھے۔‘‘

’’وہ بدمعاش ہمارا کیا کر سکتے ہیں‘ ان سے ناحق ڈرتی ہو۔ آج نہیں تو کل کسی سانپ کے کاٹنے سے ختم ہو جائین گے۔‘‘

سانپ کا نام سن کر کملا بائی لرز گئی ۔ رستم جی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی جہاں مرزا بلگرامی جیبوں میں ہاتھ ڈالے متانت کے ساتھ ان کا انتظار کر رہا تھا۔

’’آؤ رستم جی! بائی صاحب آرام کرنا چاہتی ہیں۔‘‘

دونوں نے لڑکیوں کو خدا حافظ کہا اور زینے پر چڑھ گئے پَٹ بند ہوا‘ اور اس کے اوپر کسی بھاری چیز کے کھسکنے کی آواز آئی۔

☆☆☆

باب ۲۲

تلاش اور تنبیہہ

مرزا بلگرامی اپنے کمرے میں واپس آیا اور آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ باہر جانے سے پہلے جو کتاب دھاتوں کی قلبِ ماہیت کے متعلق پڑھ رہا تھا میز سے اُٹھائی اور بند کر کے ایک طرف ڈال دی اور سوچنے لگا۔

''اب اس کی کیا ضرورت ہے میں تمام عمر کیمیا کی تلاش میں سرگرداں رہا اور کچھ کامیابی بھی حاصل نہ کی لیکن اب مجھے کیمیائی تجربوں کی ضرورت نہیں ۔ لال کٹھور کا مشہور خزانہ چند روز میں میرے قبضے میں ہو گا اور ہندوستان کے مالدار ترین آدمیوں میں شمار ہوں گا۔''

مرزا کا مرید مہابیر جو کچھ دنوں سے بھوپال کے جنگلوں میں لال کٹھور کی تلاش میں گیا ہوا تھا، دہلی واپس آ گیا تھا۔ اس کے بیان کے بموجب گوکھلے نے وہ رقبہ تلاش کر لیا تھا جہاں یہ خزانہ مدفون ہے۔ اس نے بھوپال کے دفتر میں جو تفتیش کی تھی اس کے بموجت موجودہ اِجارہ کی تاریخ ایک ہفتے میں ختم ہو جائے گی اگر فریدوں جی کی وارثہ نے اس عرصہ میں تجدیدِ اجارہ کی عرضی پیش نہ کی۔ اس اِجارہ سے ریاست کو اب تک کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا۔ فریدوں جی کو برائے نام محصول ادا کرنے پر اِجارہ مل گیا تھا۔ کیونکہ سرکارِ عالیہ کو اس کی حُسنِ خدمات کا صلہ دینا مقصود تھا۔ اگر موجودہ اِجارے کی معیاد ختم ہونے پر ایک گراں قدر رقم ادا کی جائے اور دفتر کے عمال کی مُٹّھی خاطر خواہ گرم کی جائے جس کا مہابیر بندوبست کر آیا ہے، تو اس علاقے کا اِجارہ ملنا بالکل آسان ہے۔ درخواست کے ساتھ اصلی اجارہ کی سنّد بھیجنا ضروری ہو گی جس کے لانے کے لیے اس کے شاگرد لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر مامور ہو چکے ہیں اور کوئی دَم میں سند لے کر واپس آتے ہوں گے لیکن پھر خیال آیا کہ ہیرا بائی کا کیا کیا جائے ؟ دوسرے لوگوں کی

طرح اسے سانپ کا شکار بنانا بالکل آسان تھا۔لیکن پولیس اور خدائی فوجدار اس کی تلاش میں نکلیں گے اور اس تہہ خانے میں اسے ہلاک کرنا خطرے سے خالی نہیں ۔ پھر کچھ خیال آیا کرسی سے کھڑا ہوا' آئینہ کے پاس جا کر اپنی شکل دیکھی اور مسکرایا دراز سے ایک خط نکالا ۔ یہ کسی غیرمعروف مولوی کا تھا جس میں نکاح کے متعلق یہ رائے تحریر تھی۔

''لڑکی اگر بالغ ہے تو بِلا اس کے رشتہ داروں اور وَلی کی موجودگی کے نکاح ہوسکتا ہے صرف دو گواہوں کی موجودگی کی ضرورت ہے جس کا آپ با آسانی بندوبست کر سکتے ہیں' نکاح میں پڑھادوں گا۔''

مرزا بلگرامی معاملے کے ہر پہلو پر غور کرنے کا عادی تھا۔ ہیرا بائی کے ملنے کی امید پر اس کے ساتھ نکاح کرنے کی ضرورت پر کافی غور ہو چکا تھا' اس میں صرف یہ قباحت تھی کہ اس کی بیوی بلگرامی بانو جس کی تعریف اور توصیف سے مرزا بلگرامی کے اخباراور روزنامچے بھرے پڑے تھے نہ اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ اسے محبت تھی بلکہ محض اشتہاری نقطۂ نظر سے اس نوجوان پارسن کے ساتھ شادی کرنے پر کیا رویہ اختیار کرے گی۔ اسے اندیشہ تھا کہ بلگرامی بانو کے ایک ہاتھ میں بلگرامی کی داڑھی ہوگی دوسرے میں کامدار جُوتی اور اس کی چندیا پر پٹا پٹ کی آواز' بلگرامی بانو کے غصّے کا خیال کر کے خدائی فوجداروں کے انتقام اور افسران پولیس کی توجّہ کوتھوڑی دیر کے لیے بھول گیا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی مرزا نے کہا۔

''کون ہے۔مولا!اندرآؤ۔''

ددروازہ آہستہ سے کھلا اورایک آدمی اندرداخل ہوا جسے دیکھ کرمرزا چونک پڑا۔

''بندو!تم' تم......''

''جی حضور میں حاضر ہوں۔''

''کیا آج بھی ناکامیاب واپس آئے؟''

''نہیں حضور میں نے دو دفعہ سانپ کو چھوڑا ۔ ایک مرتبہ بجائے مسعود کے کنور بکرم سنگھ کو جا ڈسا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک اس کا کام تمام ہوگیا ہوگا۔ دوسری مرتبہ سانپ نے

اس انداز کی جست کی کہ غریب مولا کو کاٹ لیا اور وہ مر گیا۔''

''ہائیں ' یہ کیسے ہو گیا ہے؟''

''معلوم ہوتا ہے منہال میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے نشانہ ٹھیک نہیں لگتا۔ علاوہ اس کے حضور خیال فرمائیں۔ آخر سانپ جانور ہی تو ہے جس وقت کاٹنے پر آتا ہے دوست' دشمن کسی کا لحاظ نہیں کرتا' بے چارہ مولا ذرا دیر میں مر گیا۔ شکر ہے کہ میں خود بچ گیا......

'' یہ کہہ کر مسکرایا۔ مرزا نے اپنے وفادار مرید کی موت کا حال خاموشی سے سنا اور دل میں کچھ ارادہ کیا۔ پھر بندو کی طرف ہاتھ پھیلایا ۔ بندو نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر مرزا کے سپرد کیا۔ مرزا نے باقی سگرٹوں کو گِنا۔ منہال کو اپنی جگہ پایا اور بند کر کے میز کی دراز میں مقفّل کر دیا۔

''بندو تم بڑے خطرے میں ہو ۔ پولیس تمھاری تلاش میں ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں چُھپایا جائے۔''

''حضور ' تہہ خانہ اچھی جگہ ہے۔''

'' یہ ممکن نہیں۔ اس وقت وہاں کوئی اور ہے تمھارے لئے کسی اور جگہ کا بندوبست کرنا چاہئے۔''

کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا ۔ مرزا اُٹھا اور ایک گوشے میں الماری کی طرف بندو کو جانے کا اشارہ کیا۔ بندو نے پٹ کھولا اور نیچے تہہ خانے میں چُھپ گیا۔ مرزا نے دروازہ کھولا۔ انسپکٹر وقار حسین اور اس کے ساتھ چند کانسٹیبل تھے۔

''آپ ہیں انسپکٹر صاحب! خیریت تو ہے جو ایسے نا وقت آپ نے تکلیف فرمائی۔''

''آپ مجھے اندر آنے دیں تو کچھ کہوں۔''

مرزا دروازے کا صِرف پٹ کھلے ہوئے باتیں کر رہا تھا تا کہ افسر پولیس کے اندر آنے سے پہلے بندو الماری کی پشت کا تختہ اُٹھا کر کمرے کے باہر چلا جائے۔

''آیئے ! اس وقت سردی بہت ہے اجازت ہو تو ایک پیالی چائے پیش کروں ۔ کیا ڈپٹی کمشنر صاحب یا کپتان صاحب نے ہندو مسلمانوں کے تعلّقات کے سلسلے میں مجھ سے مشورہ

کرنے کے لیے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ میں گورنمنٹ کی خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہتا ہوں۔‘‘

انسپکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔

’’مرزا صاحب آپ غلطی پر ہیں۔ اس وقت ہمیں نہ آپ کی جاسوسی کی ضرورت ہے نہ آپ کی سرگرمی اور اشتہار بازی سے کام لینا ہے اس وقت مجھے ہیرا بائی کی تلاش ہے۔‘‘

’’ہیرا بائی کی تلاش ہے تو میرٹھ جایئے ۔ وہ میرے ہاں کئی روز ہوئے ملازمت کی تلاش میں آئی تھی، لیکن کام شروع کرنے سے پہلے واپس چلی گئی۔‘‘

’’چلی بے شک گئی تھی لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی تمھارے گُرگے اسے زبردستی یہاں لے آئے ہیں میرے پاس کافی ثبوت موجود ہیں۔‘‘

انسپکٹر صاحب ! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی نے غلط اِطّلاع دی ۔ مجھ جیسے خداپرست صوفی سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ کسی معصوم لڑکی کو اس طرح ستایا جائے ۔ اخبار میں اشتہار دیک کر ہیرا بائی خود یہاں آئی تھی اور اپنی خوشی سے چلی گئی ۔لڑکی ہوشیار اور مصوّری میں مشّاق تھی۔ مدرسے کی لڑکیوں کو خوب پڑھاتی لیکن میرے پاس بہت سی درخواستیں آئی ہیں دوسری معلّمہ مل جائے گی۔‘‘

’’مرزا صاحب ! آپ اپنے تقدس اور قومی خدمت کا مظاہر میرے سامنے نہ کیجئے ۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ معلّمہ گیری کے بہانے سے آپ اس لڑکی کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس سے آپ کا کیا مقصد ہے اس سازش کا تمام راز مجھے معلوم ہے۔ یہ لڑکی ایک بڑی دولت کی وارث ہے اور تم چاہتے ہو کہ ١٦ فروری سے پہلے اس سرکار بھوپال میں باضابطہ درخواست پیش کرنے سے باز رکھو اور خود اس دولت پر قبضہ کرلو......‘‘

افشائے راز سے اگر مرزا کو حیرت ہوئی تو اس کا اظہار اس کے بشرے سے مطلق نہیں ہوا اور اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

’’ یہ سب کہانی ہے مجھے اس کی بابت کچھ معلوم نہیں، ممکن ہو کہ بہرام اور اس کے دوستوں نے آپ کو غلط اِطّلاع دے میری جانب سے بدظن کر دیا ہو' مجھے تعجب ہے کہ

آپ جیسا تجربے کار اور جہاندیدہ پولیس افسر ان لوگوں کے دھوکے میں آ گیا۔ بہرام کے قزاقی کے افسانے کون نہیں جانتا ؟ مگر افسوس ہے دنیا کا اس وقت رنگ نرالا ہے۔ یہ بدمعاش کُھلے بندوں آزاد پھرے اور پولیس کا دستِ راست بن جائے اور مجھ جیسا فقیر منش صوفی جس نے برسوں ملک اور قوم کی خدمت کی ہو۔ اس طرح مشتبہ سمجھا جائے ۔ آپ ہیرا بائی کی کھوج میں آئے ہیں تو بسم اللہ ! مکان موجود ہے ۔ تلاشی لیجئے میں آپ سے وارنٹ تلاشی کے دیکھنے کا بھی اصرار نہ کروں گا۔''

انسپکٹر وقار حسین کے آدمیوں نے گھر کا محاصرہ پہلے ہی کر لیا تھا ایک افسر کی مدد سے مکان کے تمام کمرے اور بالائی حصّہ دیکھا گیا مگر بالکل خالی پایا۔ وقار حسین نے مرزا کی نشست گاہ کے ہر ایک گوشہ کو دیکھا ۔ الماری کھلوائی وہ بھی خالی تھی بندو پشت کا تختہ ہٹا کر بھی کا باہر جا چکا تھا۔

''انسپکٹر صاحب اب تو آپ کو اطمینان ہو گیا؟ ہیرا بائی کوئی سُوئی تو نہیں ہے جو غائب ہو جاتی ۔ اچھی خاصی تندرست و توانا عورت یہاں آئی ہوتی تو کیسے غائب ہو جاتی ؟ اب شاید آپ احاطہ اور پرانے مکان کے کھنڈر میں تلاش کریں گے۔''

''مرزا بلگرامی' تم بہت چالاک ہو اور میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر یہ یاد رکھو محلّہ بلی ماران میں چند لوگ ایسے ہیں جو تمھاری مجرمانہ زندگی کو بے نقاب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ تم میری رائے پر عمل کرتے اور اس لڑکی کو حوالے کر دیتے تو بہتر تھا۔ تمھارے ساتھ معمولی قانونی کاروائی کی جاتی اور ممکن تھا کہ تمھاری گزشتہ خدمات کے صلے میں حکّام بالا دست تمہارے قصور کو نظر انداز کر دیتے ۔ لیکن خدارائی فوجدار قانون کی پابندی کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے ۔ ان لوگوں سے اس لڑکی کو ڈھونڈ نکالا تو یاد رکھو کہ لال کھٹور کی تمام دولت بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔''

''انسپکٹر صاحب مجھے آپ کی باتوں پر تعجب ہے۔''

''تعجب ضرور ہو گا مگر جو کچھ کہتا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔ اب بھی وقت ہے ۔ اپنے تقدس اور پیری مریدی کی آڑ میں تم بہت جرائم کر چکے۔ اب انتقام کا وقت قریب ہے پولیس اگرچہ

تمھارے سانپ کی ماہیت معلوم کرنے میں ناکامیاب رہی مگر یہ لوگ اس سے بھی واقف ہیں۔‘‘

’’سانپ کیسا؟ کیا میں کوئی سپیرا ہوں۔ صاف بتایئے معموں میں باتیں نہ کیجئے۔‘‘

انسپکٹر وقار حسین نے کچھ جواب نہ دیا اس نے مرزا کو متنبہ کر دیا تھا۔ اگر وہ اس تنبیہہ سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا تو وہ دن دُور نہیں کہ بہرام اور اس کے دوست اس می مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔

☆☆☆

باب ۲۳

مایوسی

جس وقت مہراب جنگ اور مسعود میرٹھ پہنچے صبح ہو رہی تھی موٹر کو شیریں بائی کے مکان کے سامنے سڑک پر چھوڑا ۔ پھاٹک کھول کر احاطے میں گئے برآمدے میں پہنچ کر سوچ رہے تھے کہ اتنے سویرے جگایا جائے یا نہیں ؟ کہ شیریں بائی نے دروازہ کھولا اس کی متوحّش اور پریشان صورت کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ کوئی حادثہ پیش آیا۔

''بائی صاحب تسلیم! خیریت تو ہے؟''

شیریں بائی کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو جاری ہو گئے۔

''آپ اندر آئیں تو بتاؤں۔''

دونوں دوست نشست کمرے میں گئے اور کوچ پر بیٹھ گئے شیریں بائی نے لمبی سانس لی اور کہا۔''یہ میری غلطی ہے میں ہیرا بائی کو تنہا کمرے میں سونے دیا۔ میں وہاں ہوتی تو شاید یہ بات نہ ہوتی۔''

''بتایئے تو سہی کہ ہوا کیا' اور ہیرا بائی کہاں ہے؟''

''افسوس ! ہیرا بائی رات کو غائب ہو گئی ۔ معلوم نہیں اس وقت کہاں اور کس حالت میں ہے' ہائے وہ کونسی گھڑی تھی کہ میں نے اپنی بچّی کو دہلی جانے دیا۔'' پھر وہ رونے لگی اور ہچکیاں بندھ گئیں۔

''بائی صاحب ! ہمیں آپ کے ساتھ بڑی ہمدردی ہے اس معاملے میں ہم بھی قصور وار ہیں کہ اس کی حفاظت کا معقول بندوبست نہ کیا' جو آدمی پاسبانی کے لیے مقرر کئے گئے تھے انھوں نے غفلت سے کام لیا۔''

’’آپ کا قصور ہے نہ آپ کے آدمیوں کی غفلت‘ درگا پرشاد اپنے زخم کی وجہ سے نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ رہا ننھے خان اس نے دن بھر اور رات ۱۲ بجے تک مستعدی سے پہرہ دیا۔ پھر بارش ہونے لگی اور پشت کے برآمدے میں بیٹھ گیا۔ یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ صدر دروازے کی طرف سے آ کر میری بچّی کو اس طرح دھوکہ دے گی۔‘‘

’’تو کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ کسی عورت کا کام ہے۔‘‘

’’جی ہاں! غلام گردش میں زنانہ انگریزی جوتے کے صاف نشان بنے ہیں کوئی مرد ہوتا تو ہیرا بائی ہرگز دروازہ نہ کھولتی۔‘‘

’’لیکن بائی صاحب! برآمدے میں دو مَردوں کے پیروں کے نشانات پائے گئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت دھوکہ دے کر اندر آ گئی اور پھر اس کے ساتھی۔‘‘

’’ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو اور یہ دیکھئے۔‘‘

الماری سے ایک بوتل جس میں ربڑ کی نلکی اور ایک گیند لگی تھی دکھائی۔

’’یہ کوچ کے قریب پڑی ملی ۔ معلوم ہوتا ہے میری بچّی کو دَوا سُنگھا کر بے ہوش کیا گیا۔‘‘

اب دن نکل آیا تھا اور دونوں دوست رات کی مصروفیات کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے تھے اور فوراً واپس جانا چاہتے تھے لیکن شیریں بائی نے اِصرار کیا کہ چائے تیار رہے۔

شیریں بائی باورچی خانے کی طرف چائے اور ناشتے کے انتظام کے لیے گئی‘ میز پر چند کتابیں رکھی تھیں ۔ مسعود نے ایک کتاب اُٹھائی‘ اس کے شروع میں ایک سادہ ورق تھا جس پر ہیرا بائی کے پورے دستخط تھے اسے پھاڑ کر جیب میں رکھا مہراب جنگ نے کہا۔’’یہ کیا حرکت‘ اسے کیا کرو گے؟‘‘

’’کچھ نہیں ۔لڑکی خوش خط ہے۔ مجھے تحریر کے نمونے جمع کرنے کا خبط ہے۔‘‘

مہراب جنگ نے ٹیلی فون کے پاس جا کر سلسلہ دہلی سے ملایا۔

’’کون ہے......لوک بہادر!‘‘

’’تم کہاں سے باتیں کر رہے ہو؟‘‘

’’میرٹھ سے......ہم یہاں آئے تو معلوم ہوا کہ رات کو ہیرا بائی غائب ہوگئی۔‘‘

''یہ مجھے پہلے ہی معلوم ہے۔''

''یہ کیونکر؟''

''تم لوگ رات کو لالہ بنارسی داس کی حفاظت میں اس قدر مشغول تھے کہ اس غریب لڑفی کی طرف سے غافل ہو گئے ۔ مجھے اندیشہ تھا اور رات کو جمنا کے پُل کے قریب کھڑا ہو گیا۔ صبح ہونے سے پہلے بلگرامی کی موٹر لاری میرٹھ کی طرف سے آئی ۔ میں بھی بلگرامی کے گھر تک پہنچا۔ پھاٹک بند تھا۔ لیکن پھاٹک کے قریب شربتی رنگ کی چُوڑی کے چند ٹکڑ ے ملے ۔ ہیرا بائی اس قسم کی چُوڑی اس رات کو جب تم تھیٹر سے اسے لائے تھے پہنے ہوئے تھی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں ۔ میں انسپکٹر وقار حسین کو ٹیلی فون کیا ۔ وہ فوراً بلگرامی کے مکان پر گئے اور تلاشی لی مگر ناکامیاب واپس آئے۔''

جنگ بہادر اور مسعود ناشتہ کر کے شیریں بائی سے رخصت ہوئے اور دہلی پہنچے ۔ رات بھر کے جاگے اور تھکے ہوئے تھے ۔لیکن ان لوگوں کو کام کے وقت آرام اور نیند سے کیا واسطہ تھا۔ جلد جلد غسل کیا ' کپڑے بدلے اور تینوں دوست معاملے کی اہمیت پر غور کرنے لگے۔ مسعود نے کہا۔

''میرا مقصد تھا کہ آج مرزا بلگرامی کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کر دوں اور خلقت کو اس اشتہاری صوفی اور دغا باز پیر کی سرگرمیوں سے نجات دلاؤں ۔لیکن ہیرا بائی جب تک اس کی قید سے آزاد نہ ہو مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑے گا۔''

جنگ بہادر نے مسعود کے ساتھ اتّفاق کیا۔

''میری بھی یہی رائے ہے مگر وقار حسین اور دوسرے افسرانِ پولیس اس معاملے میں ہمارے شریک ہیں' ایسی حالت میں بلگرامی کا خاتمہ کرنا اپنے آپ کو قانون کی زد میں لانا ہے۔''

''یہ صحیح ہے۔لیکن پولیس کو شک بھی نہ ہو گا کہ یہ ہمارا کام ہے ۔ بلگرامی معمر آدمی ہے

دو تین دن بیمار رہتا اور پھر قضا کر جاتا اس کا انتظام بہت آسان تھا مگر اس وقت پہلا کام یہ ہے کہ ہیرا بائی کو آزاد کیا جائے۔''

''مسعود اگر تھکے نہیں ہو تو موٹر لے آؤ۔ رستم جی سے آخری بار ملاقات کرنا ضروری ہے ممکن ہے کہ اس کی چھوکری کملا بائی سے جو رات ہیرا بائی کے گھر گئی تھی ۔کوئی بات معلوم ہو سکے۔''

تھوڑی دیر بعد راحت منزل پہنچ کر جنگ بہادر نے کملا بائی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ملازم نے کہا۔

بائی صاحبہ یہاں نہیں ہیں لیکن سیٹھ جی موجود ہیں۔ آپ ان سے ملنا چاہیں تو آیئے۔''

مہراب جنگ نشست کے کمرے میں داخل ہوا ۔ جہاں رستم جی رات کی کامیابی پر بہت خوش ایک آرام کرسی پر دراز' کھلی ہوئی کھڑکی سے اپنے خوشنما اور وسیع باغ کے پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔کرسی سے کھڑا ہوا اور بڑے تپاک سے مہراب جنگ کا خیر مقدم کیا۔

''کنور صاحب' سنتا ہوں آپ کو پھول بہت مرغوب ہیں ۔ اس کھڑکی سے پھولوں کی کیاریاں کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔ اب کی بار پھولوں کی نمائش میں غالباً میرے پھول بہترین خیال کئے جائیں گے۔''

''لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نمائش کے وقت یہاں ہوں گے کہ نہیں؟''

''اس میں شک کرنے کی وجہ؟''

''صرف یہ کہ جو شخص مرزا بلگرامی جیسے خطرناک مجرم کے گروہ کا سرگرم ممبر ہو اس کا قانون کی سخت گیری سے بہت دنوں تک محفوظ رہنا قرین قیاس نہیں ہے۔ بلگرامی کی جرائم پیشہ زندگی کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے ۔ پولیس اس کے پیچھے شکاری کتّے کی طرح لگی ہوئی ہے اور آج نہیں تو کل وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائے گا۔''

''بلگرامی جیسے خدا پرست اور متّقی آدمی کو آپ ناحق بدنام کرتے ہیں' اگر یہ صحیح بھی ہے تو مجھ سے اس کا کیا تعلق۔''

’’جو شخص تمھاری طرح اپنی داشتہ عورت کملا بائی کو ہمشیرہ کے متبرک لقب سے پکارے اور پھر اس کے ذریعہ سے ایک بے قصور اور بھولی لڑکی کو دھوکہ دے کر اس کے گھر سے مرزا کے اشارے پر بھگا لے جائے ۔ وہ مرزا بلگرامی کے جرائم کا ضرور جواب دہ ہو گا۔ کملا بائی کہاں ہے۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں؟‘‘

’’وہ یہاں نہیں۔ کل لاہور گئی۔‘‘

’’لیکن رات کو تمھارے ساتھ میرٹھ گئی اور ہیرا بائی کے ساتھ دہلی واپس آئی۔‘‘

’’ آپ کی اِطّلاع صحیح غلط ہے‘ وہ اس وقت لاہور میں ہے اور میں کل سے کہیں باہر نہیں گیا۔‘‘

’’میری اِطّلاع صحیح نہ ہو لیکن پولیس نے معتبر اِطّلاع کی بناء پر تمھاری گرفتاری کا وارنٹ حاصل کیا ہے۔‘‘

اس کا سننا تھا کہ رستم جی چند لمحوں کے لیے پریشان ہو گیا سگریٹ ہاتھ سے گر گیا اور وہ کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

مہراب جنگ مسکرایا۔

’’کیوں سیٹھ صاحب‘ وارنٹ کا ذکر سنتے ہی آپ کے حواس باختہ ہو گئے ۔ اثباتِ جرم کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے۔‘‘

’’سنو بہرام ! تم خود دہلی کے سب سے بڑے مجرم ہو ۔ میں تمھاری سرگرمیوں سے خوب واقف ہوں ۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ کہیں ایسا نہ کسی دن بلگرامی کے سانپ کے شکار ہو جاؤ۔‘‘

’’سانپ نے ہم پر رات ہی کو وار کیا تھا مگر ہم سب دوست زندہ ہیں ۔ تم اپنی خبر لو تم سمجھتے ہو کہ ہیرا بائی کو قید یا قتل کر کے اس کی دولت حاصل کر لو گے لیکن یہ ہرگز نہ ہو گا۔ اگر بلگرامی کے سانپ نے تمہیں جلد نہ ڈسا تو یاد رکھو کہ تم ہماری دسترس نے نہ بچ سکو گے ہیرا بائی کہاں ہے؟‘‘

’’تمھیں خدائی فوجداری کا دعویٰ ہے جاؤ تلاش کرو اور میرا وقت ضائع نہ کرو۔‘‘

اس اعلان کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔

☆☆☆

باب ۲۴

تہہ خانہ

ہیرا بائی کو خطرے کا پورا احساس تھا بہت غور کیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ کس قصور کی پاداش میں اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے۔ اور مرزا بلگرامی جو عام طور پر مذہبی اور مقدس آدمی سمجھا جاتا ہے ایسا شقی القلب کیوں ہو گیا ہے' اسے تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ اور اپنے سے دور رکھنا گوارا نہیں کرتا۔ کوئی اور آدمی ہوتا تو اسے اپنی عزّت اور ناموس کو معرض خطر میں ہونے کا اندیشہ ہوتا لیکن مرزا بلگرامی جو ایک تاریخی خانقاہ کا مجاور' تبلیغ و اشاعتِ مذہب کے کاموں میں پیش پیش' کئی ایک اخباروں کا ایڈیٹر اور مدرسوں کا مہتمم ہونے کے علاوہ پیری مریدی کے سلسلے میں بھی ایسا مشہور ہو اس سے سوائے نیکی اور حُسنِ سلوک کے اور کچھ امّید نہیں ہوسکتی۔ سو کر اٹھی تو اپنے قریب کملا بائی کو دوسرے پلنگ پر انگڑائیاں لیتے پایا۔ اسے قدرے اطمینان ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ کملا بائی نے بالوں کو درست کیا اپنی ساڑھی سنبھالی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہیرا بائی کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور کہا۔

''کہو بہن' کیسی ہو؟ مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟''

''خبردار! مجھے بہن کہہ کر نہ پکارو۔ تم نے مجھے بڑا دھوکا دیا تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''اس میں میرا کیا قصور ہے! بھائی صاحب نے جو کہا وہ میں نے کیا۔ لیکن انھوں نے اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا بال تک بیکا نہ ہوگا۔''

''پھر مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟''

''یہ مجھے نہیں معلوم لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔''

''آخر کب تک اس تاریک تہہ خانے میں رہوں گی؟''

''یہی پانچ چھ دن' یہاں تمہیں تکلیف ہی کیا ہے۔ ہر طرح کا آرام ہے۔ کھانا بافراط اور

مزیدار۔''

کملا بائی پلنگ سے اٹھی ایک الماری سے پانی گرم کرنے کی کیتلی اور چائے کا سامان نکالا۔ چند لکڑیاں آتش دان میں ڈالیں اور پانی کی کیتلی رکھ دی۔ ہیرا بائی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کملا بائی کو اپنی مصیبت کا ذمّہ دار قرار دینا بے کار ہے۔ وہ دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔

''کیا تم ہمیشہ اس قسم کا کام کیا کرتی ہو؟''

''نہیں۔آخر ہوا ہی کیا ہے؟ تم اپنے گھر سے یہاں آگئیں۔''

''تمہارے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ کسی دن تمہیں اور تمھارے بھائی کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

''رستم جی کو کیا غرض' انھوں نے تو مرزا صاحب کی خاطر سے تم کو یہاں پہنچا دیا ہے۔تم جانو اور مرزا۔''

''مرزا کو بھی کسی دن جواب دینا ہوگا۔''

''میری طرح تم مرزا صاحب کی حالت سے واقف ہوتیں تو کبھی ایسی باتیں نہ کرتیں اور خاموش ایک کونے میں بیٹھی اپنی جان کی خیر مناتیں۔''

''بر خلاف اس کے مرزا کو چاہئے کہ اپنی خیر منائے۔ خدائی فوجداروں کا انتقام بہت ہی سخت ہوگا۔''

''کون خدائی فوجدار؟ وہی نا جنہوں نے بندو کو کوڑے لگائے اور جن کا سردار دہلی کا مشہور قزاق بہرام ہے۔ بندو کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ تمھارے مددگار اور دوست ہیں تو خدا جانے کیا ہوگا؟''

''بندو کون ہے؟''

''بندو کو بھول گئیں۔ اس رات کو تھیٹر میں سیٹھ پالن جی سے تم نے راز و نیاز کی باتیں کیں وہ بندو ہی تو تھا' کیوں کیسا بھیس بدلتا ہے؟ مگر یاد رکھو۔ وہ آدمی کی شکل میں شیطان ہے۔ نیم پاگل وحشی' اس کی توجّہ تمھاری طرف ہوئی تو تمھارے دوست خدائی فوجدار بھی تمہیں نہ

بچا سکیں گے۔''

''معلوم ہوتا ہے تم خدائی فوجداروں کی قوت سے واقف نہیں ہو۔''

''کیوں نہیں' بھائی صاحب نے مجھے کئی بار متنبہ کیا۔ وہ ان سے بڑی نفرت کرتے ہیں اور شاید ڈرتے بھی ہیں لیکن ایسے آدمیوں سے ڈرنے کی کیا بات ہے جو خود مجرم ہوں۔''

''تم نہیں سمجھتیں ۔ وہ مجرم نہیں بلکہ شریف مالدار آدمی ہیں جو خلقِ خدا کی حفاظت کرتے ہیں اور ایسے ظالموں کو سزا دیتے ہیں جو تمھارے بھائی صاحب یا مرزا بلگرامی کی طرح بے قصور لڑکیوں کو ان کے گھر سے بھگا لاتے ہوں۔''

''خبر دار رستم جی کو کچھ نہ کہنا ورنہ تمہیں نوچ لوں گی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا وہ کیسے ٹھاٹھ کا آدمی ہے۔ جب میری شادی اس سے ہو جائے گی تو کیا لطف رہے گا۔''

''ہائی یہ کیا؟ تم تو انھیں بھائی صاحب کہتی ہو۔''

کملا بائی ہنسی ۔''تم بڑی بے وقوف ہو۔ کسی کو بھائی کہنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو دنیا کو دھوکا دینے کے لیے کیا جاتا ہے ۔ تاکہ کوئی انگشت نمائی نہ کرے یہ آج کل کا فیشن ہے' ایک نہیں بیسیوں نئی وضع کی عورتیں جب باہر کسی کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں تو اپنے مرد دوستوں کی بہن بن جاتی ہیں۔ آخر ہونا دیہاتی ! دہلی' بمبئی یا شملہ اور مسوری کی سوسائٹی کو کبھی دیکھتیں تو تمہیں تعجب نہ ہوتا۔''

''خدا مجھے ایسی سوسائٹی سے بچائے ۔ اگر دہلی ایسے ہی لوگوں سے آباد ہے تو میں کبھی بھول کر بھی اس طرف رخ نہ کروں گی۔''

''تعجب ہے۔ تمھاری طرح میں ایک بڑی دولت کی وارث ہوتی تو شملہ اور بمبئی کیا ہر سال پیرس اور لندن جایا کرتی۔''

''میں دولت مند نہیں ہوں بلکہ بہت غریب ہوں' دولت مند ہوتی تو ملازمت کی تلاش میں دہلی کیوں آتی ؟''

''مگر بھائی صاحب تو کہتے ہیں تم سچ مچ سونے کی چڑیا ہو اور بے اندازہ دولک کی مالک ہو۔ اسی لیے تو تم یہاں لائی گئی ہو۔''

ہیرا بائی کو سخت تعجب تھا کہ مرزا بلگرامی جیسا چاق و چوبند آدمی اور ایسی غلطی کرے ، شاید کسی اور دھوکے میں اسے نظر بند کیا گیا ہے۔

زینے کی طرف سے کسی کے نیچے اترنے کی آواز آئی اور چند منٹ میں مرزا بلگرامی کمرے میں داخل ہوا۔

ہیرا بائی کرسی سے کھڑی ہوگئی اور نفرت اور حقارت کی نظر سے اسے دیکھنے لگی۔ مرزا صاحب نے آج معمول سے زیادہ اپنے لباس اور سنگھار پر توجّہ کی تھی۔ کشمیری کام کا چوغہ پھولدار ریشمی گلو بند ُلمبی لمبی کاکلوں میں خوب تیل لگا ہوا اور آنکھوں میں دُنبالہ دار سُرمہ! بائی صاحب ! مزاج کیسا ہے؟ یہاں بالکل خاموشی اور تنہائی ہے۔ امید ہے کہ آپ نیند بھر کے سوئی ہوں گی۔''

''مرزا صاحب یہ خاموشی کی جگہ آپ کو مبارک ! میرا قلب الٹا جاتا ہے مہربانی کر کے مجھے گھر جانے دیجئے۔''

''فی الحال آپ اسے ہی اپنا گھر سمجھئے۔ چند روز کی تکلیف سہی لیکن پھر آپ ہر چیز کی مالک ہوں گی۔ آپ جانتی ہیں میرا کاروبار تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے ہر جگہ میرے مرید بکثرت ہیں اور میری کتابیں اور رسالے سارے ملک میں شائع ہوتے ہیں ۔ میری اخباری نکتہ چینی سے بڑے بڑے والیانِ ملک کانپتے ہیں اور ان کے کاروباروں میں کھلبلی پڑ جاتی ہے۔ جہاں جاتا ہوں عزّت کی نظر دیکھا جاتا ہوں ۔ دنیا کے لیے میں زاہد خشک ہوں لیکن آپ یقین کریں کہ باوجود ان سب باتوں کے میرا دل اچھی صورت کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے ۔ اچھی آواز کان میں آتی ہے تو میں مسرور ہوتا ہوں ۔ خدا نے آپ کو حسین بنایا اور علمِ موسیقی میں آپ اس قدر مہارت رکھتی ہیں۔''

ہیرا بائی کو مرزا کی گفتگو پر تعجب تھا۔

''بزرگی اور برتری کا یہ دعویٰ ' لیکن یہ بتائیے کہ ایک بے کس اور غریب لڑکی کو اس طرح مقید رکھنا کس مذہب میں جائز ہے؟''

''آپ خود کو قید میں کیوں سمجھتی ہیں۔ آپ اس وقت بڑے خطرہ میں ہیں ۔ چند آدمی

آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں یہ بڑے سفّاک مجرم ہیں ۔ان کی طرف سے آپ کو محفوظ رکھنا ضروری تھا ۔ ان کتابوں سے دل بہلائیں میں پھر آؤں گا۔ اور آپ کو سیر کے لیے لے جاؤں گا۔‘‘

مرزا نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو کملا بائی نے دریافت کیا۔

’’مرزا صاحب مجھے باہر جانے کی کب اجازت ملے گی؟‘‘

’’گھبراؤ نہیں۔ آج شام کو رستم جی تمہیں لے جائیں گے ۔ اس وقت تک ہیرا بائی کا دل بہلاؤ۔ کسی بات کی تکلیف نہ ہو لیکن دیکھو جو بوتل آتشدان کے پاس غلاف سے ڈھکی ہوئی رکھی ہے اسے ہرگز نہ چُھونا نہ اس کے پاس جانا۔‘‘

مرزا کے چلے جانے کے بعد دونوں لڑکیاں باتیں کرتی رہیں۔ کملا بائی نے رستم جی کے کارنامے تفصیل سے بیان کئے ۔ تہہ خانے میں ہَوا صاف کرنے کے لئے بار بار اگربتیاں جلاتی رہیں۔

☆☆☆

باب ۲۵

نازک مہم

ہیرا بائی کوغائب ہوئے دو دن ہو گئے تھے ۔ پولیس اور بہرام کی تلاش کے باوجود اس کے قید ہونے کی جگہ کا پتہ نہ چلا۔تجدیدِ معاہدہ کے صِرف چار دن باقی رہ گئے تھے اگر اس عرصہ میں ہیرا بائی کی درخواست پیش نہ ہوئی تو ''لال کٹھور'' کا اِجارہ اسے نہ مل سکے گااور یہ دولت مرزا بلگرامی کے قبضے میں چلی جائے گی کیونکہ اس گروہ کے آدمی مدّت سے اس کی تلاش میں ہیں اور یا بدستور زیرِ زمین دفن رہے گی۔ ریاست بھوپال کی اصلی سند نیز لال کٹھور' کے معلوم کرنے کی کُنجی اس وقت خدائی فوجداروں کے قبضے میں تھی ڈاک کے ذریعے سے دربارِ بھوپال کسی کاغذ کا بھیجنا خطرے سے خالی نہ تھا ۔کیونکہ مرزا کے آدمی ہر جگہ لگے ہوئے تھے ۔کسی معمولی آدمی کو ایسے اہم اور نازک کام پر مامور کرنا دور اندیشی کے خلاف تھا۔ علاوہ اس کے بلگرامی کے سانپ سے بچ کر کسی آدمی کا بھوپال تک صحیح سلامت پہنچنا مشکل تھا۔

کنور بکرم سنگھ البتّہ اپنے رتبے' دیانت اور سرگرمی کے لحاظ سے بھروسے کے قابل تھا۔ علاوہ اس کے سانپ کے زہر سے وہی محفوظ رہ سکتا تھااس لئے خدائی فوجداروں نے اسے بلا بھیجا۔کمرے میں داخل ہوتے ہی بکرم سنگھ نے کہا۔

''میں نے بہت غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جس چیز نے مجھے اس رات کو کاٹا ہرگز سانپ نہ تھا۔ سانپ کے زہر میں یہ سوزش اور تکلیف کہاں' یہ کوئی اور شیطانی چیز تھی اس تکلیف کوکبھی نہ بھولوں گا۔''

مہراب جنگ نے بکرم سنگھ کو اپنے قریب کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا ۔''ہمیں آپ کے ساتھ اتّفاق ہے۔ یہ معمولی سانپ نہیں ہے بلکہ ایک خطرناک مجرم کے ہاتھ میں مہلک آلہ

ہے۔‘‘

’’تم یہ سب جانتے ہوتو پولیس میں اِطّلاع کیوں نہیں کرتے؟‘‘

’’پولیس کو بھی معلوم ہے لیکن سرِ دست پولیس بھی مجبور ہے۔ کنور صاحب اس وقت ہم نے آپ کو سانپ جیسے دلچسپ جانور کے متعلق بحث کرنے کے لیے تکلیف نہیں دی بلکہ ہم آپ کوایک نہایت رازدارانہ اورنازک مہم پربھیجنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’تم لوگ اس قدر دلچسپ اور تمہارا کام اس قدر دلفریب ہے کہ میں تمہاری خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں لیکن رات جیسا سانپ میری طرف رخ نہ کرے۔ میں اس کے مالک کو دیکھ پایاتو زندہ نہیں چھوڑوں گا......‘‘

میز پرزور سے ہاتھ مارااور جوش میں آکر ٹہلنے لگا۔

’’کنور صاحب آپ پر زہر کا اثر نہیں ہوتا پھر سانپ سے کیا ڈرنا ‘ لیکن ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سفر خطرے سے خالی نہ ہوگا اور آپ کو نہایت ہی ہوشیاری سے کام لینا پڑے گا۔‘‘

’’اور کام کیا ہے؟‘‘

’’ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھوپال جائیں اور ایک ضروری خط نواب صاحب کی خدمت میں پیش کریں۔ یہ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے اور سوائے آپ کے ہم کسی اور کو اس کا اہل نہیں پاتے۔‘‘

’’یہ آپ کی مہربانی ہے جومجھ پراس قدر بھروسہ کرتے ہیں اور جانا کب ہوگا؟‘‘

’’آج رات کو ایکسپریس سے‘ کل کسی وقت یہ کاغذات اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں پہنچ جانا چاہئیں۔‘‘

’’لیکن ریاست کا معاملہ ہے۔ والئ ملک سے ملاقات کرنا آسان نہیں ہے۔ لوگ مہینوں سلام کرنے کی آرزو میں پڑے رہتے ہیں۔ کیا معلوم کب شرفِ باریابی حاصل ہو۔ ریاستوں کی کل فردائے قیامت اور پرسوں برسوں کی طرح ہے۔‘‘

’’کنور صاحب ! بھوپال ان ریاستوں کی طرح نہیں جن کا آپ کو ایسا تجربہ ہے وہاں

کئی پشت تک بیگمات کی فرمانروائی رہی ہے جن کے حسنِ انتظام اور تدبّر نے ہر طرف سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے اور حضور سرکارِعالیہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کا عہدِ حکومت نہ صرف بھوپال بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر موقع دیا جائے تو ہمارے ملک کی عورتیں زندگی کے ہر شعبے میں کارہائے نمایاں کرسکتی ہیں۔‘‘

’’لیکن اب تو وہاں مرد کی حکومت ہے۔ کثرتِ مشاغل میں مجھ جیسے آدمی کی وہاں کیا پرستش ہوسکتی ہیں۔‘‘

’’آپ غلطی پر ہیں موجودہ فرمانراوائے بھوپال نے سرکارِعالیہ کے آغوش شفقت میں تربیت پائی ۔ ہندوستان کی بہترین درس گاہ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی اور اگرچہ انھیں مسندِ حکومت پر بیٹھے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ۔ انھوں نے اپنی روشن خیالی‘ تدبّر اورحسن انتظام کی تمام ملک میں قابل تقلید نظیر قائم کی ہے۔ سادگی اور سچّائی کے لحاظ سے یہ سپاہی منتش حکمراں عدیم المثال ہے اور باوجود نو عمری کے والیان ملک کی انجمنوں میں انھوں نے اپنے سیاسی تدبّر اور ہوش مندی کی بدولت ممتاز ترین درجہ حاصل کیا ہے۔ یہ بھی سنا جاتا ہے کہ نہ صرف دوسرے والیانِ ملک‘ بلکہ سرکار انگلشیہ کے اعلیٰ حکام اور ہندوستانی لیڈر آج کل کے سیاسی مسائل کی گھتیاں سلجھانے میں ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ بھوپال میں ہر چیز قاعدہ اور قانون کی پابندی کے ساتھ ہوتی ہے جو شخص کسی کام سے جاتا ہے ممکن نہیں کہ اسے وقت ضائع کرنا پڑے ۔ میں نے آپ کی آمد کے متعلق ملٹری سیکریٹری کو تار دے دیا ہے ۔ اگر وہ بھوپال میں موجود ہیں تو آپ کوکسی قسم کی زحمت نہ ہوگی۔‘‘

’’اگر وہ موجود نہ ہوئے تو اعلیٰ حضرت تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہوگا؟‘‘

’’ آپ براہ راست محل پر جایئے اور کامدار ڈیوڑھی خاص میجر سامان اللہ خان سے ملئے اور اپنے کام کی اہمیت بیان کیجئے ۔ اُن کو اوّل کچھ پس و پیش ہوگا‘ دو ایک بار کلمہ کی انگلی پیشانی پر مار کر اپنے دماغ کی نیم خوابیدہ قوتوں کو بیدار کریں گے اور ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آپ کو پیش کرنا ضروری ہے۔ اس طرح کل کسی وقت آپ نواب صاحب کی خدمت میں یہ کاغذات پیش کرسکیں گے۔‘‘

’’پھر تو یہ کام چنداں مشکل نہیں۔‘‘

’’کنور صاحب ! ہم آپ کو صاف بتا دینا چاہتے ہیں ۔کہ بھوپال کا سفر خطرے سے خالی نہیں ہے۔ مرزا بلگرامی معمولی آدمی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سخت نگرانی میں ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ آپ پر کس وقت اور کس نہج پر حملہ کیا جائے گا۔ ان کاغذات کی مرزا کو ہم سے زیادہ ضرورت ہے۔‘‘

’’میں خطرے کے کاموں سے نہیں ڈرتا۔کاغذات مجھے بتا دیجئے میں تیار ہوں۔‘‘

مہراب جنگ نے اپنے آہنی صندوق سے ایک لفافہ سربمہر نکالا اور بکرم سنگھ سے دریافت کیا۔‘‘

’’کیا آپ آج سفر میں یہی کپڑے پہنے ہوں گے؟‘‘

’’جی ہاں!‘‘

’’مہربانی کر کے اپنا کوٹ اتاریئے۔‘‘

بکرم سنگھ نے کوٹ اتارا۔ مہراب جنگ نے کوٹ کے استر میں قینچی سے سوراخ کیا اور لفافہ اندر رکھ دیا۔ مسعود نے سُوئی ڈورا لے کر اس عمدگی سے استر کر رفو کر دیا کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہیں سے کاٹا گیا ہے۔

بکرم سنگھ نے جوش سے کہا۔

’’تم لوگ کپڑا سینے کا کارخانہ کھولو بڑی آمدنی ہو۔کمال کرتے ہو۔‘‘

مہراب جنگ نے ایک چرمی بیگ جس میں تین لفافے سربمہر تھے بکرم سنگھ کو دیا اور ہدایت کی کہ اس بیک کا تسمہ اپنی پیٹی میں باندھ لیں۔

’’اس کی کیا ضرورت ہے؟‘‘

’’یہ بلگرامی کے مریدوں کو دھوکا دینے کے لیے کیا جا رہا ہے ۔ انھیں یہ خیال ہو گا کہ اصلی کاغذات اس بیگ میں ہیں اور اگر وہ اپنے حملے میں کامیاب ہوئے اور یہ بیگ لے بھاگے تو چنداں نقصان نہ ہوگا۔ آپ کے لیے ایکسپریس کا یاک درجہ محفوظ کر دیا گیا ہے تا کہ آرام سے سفر کر سکیں۔ یہ تو بتائیے کہ آپ کو روپیہ کتنا درکار ہوگا؟‘‘

''اس کی فکر نہ کیجئے میرے پاس کافی روپیہ ہے۔''

خدائی فوجداروں سے رخصت ہو کر سڑک پر آیا تو ایک تانگے والا جو دیر سے یہاں کھڑا تھا ۔ تانگہ دوڑاتا ہوا لایا ۔ بظاہر یہ شخص مرزا کا جاسوس تھا ۔ بکرم سنگھ اس تانگے میں نہیں بیٹھا۔بلی ماران کے چوراہے پر جا کر دوسرا تانگہ کرایہ پر لیا اور اپنے ہوٹل کو روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ خالی تانگہ اس کے پیچھے پیچھے کچھ فاصلے پر آیا۔اسے یقین ہو گیا کہ اس کی نقل وحرکت کی پوری نگرانی ہو رہی ہے۔

☆☆☆

باب ۲۶

ریل کا سفر

رات کا کھانا کھا کر کنور بکرم سنگھ اسٹیشن پہنچا ۔ بمبئی ایکسپریس حسبِ معمول مسافروں سے بھری ہوئی تھی ۔ بکرم سنگھ کے لیے درجۂ اوّل کے ڈبّے میں دو سیٹ کا کمرہ پہلے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ ٹکٹ بھی خرید لیا گیا تھا۔ وہیلر کی دوکان سے چند اخبار اور رسالے خرید کر اپنے کمرے میں بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ گھنٹی بجی اور گاڑی چُھوٹنے ہی کو تھی کہ ایک عورت نئی وضع کا برقع پہنے ہوئے ایک لڑکے کو ساتھ لئے بکرم سنگھ کے کمرے کے سامنے آ کر رکی۔ لڑکے نے بڑی لجاجت اور گھراہٹ سے کہا۔

''حضور ! ان بیگم صاحبہ کو متھرا تک جانا ہے ۔ گاڑی چُھوٹنے والی ہے کیا آپ مہربانی کر کے اپنے درجے میں بیٹھنے دیں گے؟''

بکرم سنگھ شریف اور مہذّب رئیس زادہ تھا۔ کسی عورت کو تکلیف میں دیکھنا اسے کب گوارا ہوسکتا تھا۔ اخبار ہاتھ سے رکھا اور کمرے کا پَٹ کھول دیا۔

''آپ خوشی سے یہاں بیٹھیئے ۔ آپ تنہائی چاہتی ہوں تو میں کسی دوسرے کمرے میں بیٹھ جاؤں گا۔''

عورت کے کمرے میں داخل ہوتے ہی گاری روانہ ہوگئی بکرم سنگھ نے ایک سیٹ سے اپنے اخبار اٹھائے اور کہا۔

''آپ آرام سے بیٹھیئے۔ دوسرے اسٹیشن پر میں کسی اور ڈبہّ میں جا بیٹھوں گا۔

''یہ درجہ آپ کے لیے محفوظ ہے۔ آپ کی مہربانی کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے بیٹھنے کی اجازت دی۔ میرا سفر جلد ختم ہو جائے گا ' آپ دوسرے ڈبّے میں جانے کی تکلیف نہ

اُٹھائیں۔''

بکرم سنگھ کھڑکی کے قریب بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا۔ برقع کی ساخت' انگریزی جوتوں کی چمک اور قیمتی دستی بیگ سے ادازہ ہوتا تھا کہ یہ نئی وضع کی متمول عورت ہے جو مردوں سے گفتگو کرنے کی عادی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ عورت بار بار روشنی کی طرف منہ اٹھاتی ہے بکرم سنگھ نے خیال کیا کہ غالباً تیز برقی روشنی اسے ناگوار ہے' اخبار علیحدہ رکھا اور روشنی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''آپ کو تیز روشنی ناگوار ہو تو گل کیئے دیتا ہوں۔''

عورت نے شکریہ ادا کیا بکرم سنگھ کھڑکی سے تکیہ لگا کر لیٹ گیا اور انکھیں بند کر لیں ۔ غسل خانے سے نیلی اور دھیمی روشنی کسی قدر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ عورت نے دو تین مرتبہ بکرم سنگھ کی طرف دیکھا ۔ یہ خیال کر کے کہ بکرم سنگھ پر غنودگی کا عالم طاری ہے اس نے اپنا دستی بیگ کھولا پھر آہستہ سے ہاتھ بیگ میں ڈالا اور ایک سیاہ رنگ کی منہال سگریٹ پہنے کی نکالی ۔ بکرم سنگھ سویا نہیں تھا پنی بڑی پلکوں کے نیچے سے کبھی کبھی عورت کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ جس اس نے عورت کو اپنی طرف رخ بدلتے اور بیگ سے کوئی چیز نکالتے دیکھا تو اسے اپنی نازک مہم کا خیال آیا اور خطرے کا احساس کیا۔ عورت ن ایک بار پر بکرم سنگھ کی طرف دیکھا کچھ دیر خاموش رہی ۔ اس نے پھر ہاتھ اٹھایا اور بیگ میں ڈالا ۔ دستانہ کلائی س کچھ نیچے کھسک آیا تھا اور بکرم سنگھ نے دیکھا کہ وہ کسی عورت کی نازک اور خوبصورت کلائی نہیں ہے بلکہ اس پر سیاہ بال ہیں۔ فوراً خیال آیا کہ یہ عورت کے لباس میں کوئی مرد ہے جو اسے ہلاک کر کے کاغذات چرانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ بلگرامی کے سانپ کی تکلیف ابھی تازہ تھی اور قبل اس کے کہ اس کا ہم سفر بیگ سے ہاتھ نکالے بکرم سنگھ نے جست لگائی اور اس کی گردن پکڑ لی لیکن عورت نے اپنی کمر سے پیش قبض نکال کر بکرم سنگھ پر وار کیا۔ بکرم سنگھ تیزی کے ساتھ دوسری طرف جُھکا اور وار خالی گیا ۔اس اثناء میں گردن کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور قاتل کھڑا ہو گیا۔ بکرم سنگھ مضبوط اور تجربہ کار شکاری تھا ۔ باوجود اس کے اس نے اپنے آپ کو سخت مشکل میں پایا۔ اس کی جیب میں پستول موجود تھا لیکن جیب میں ہاتھ ڈالنے کا

موقع یا گاڑی روکنے کی زنجیر کھینچنے کا وقت نہ ملا ۔ کچھ دیر گاؤ زوری ہوتی رہی اور بکرم سنگھ نے موقع پاکر اپنے دشمن کو زور سے دھکّا دیا اور علیحدہ ہو گیا دروازے کی چٹخنی کُھلی ہوئی تھی اس لئے دروازہ کُھل گیا۔ بکرم سنگھ دوبارہ حملہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ دشمن نیچے کُود گیا۔ ایک پُل جس کی مرمت ہو رہی تھی قریب تھا۔ اس لئے ریل بہت آہستہ چل رہی تھی اور غالباً اسی خیال سے یہ جگہ حملہ کرنے کے لیے تجویز کی گئی تھی۔ بکرم سنگھ نے گاڑی کی زنجیر کھینچی اور کچھ دور چل کر گاڑی رکی لیکن دشمن رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

رات اندھیری گُھپ اور بدلی چھائی ہوئی تھی اور ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی ۔ بندو جو عورت کے بھیس میں بکرم سنگھ کے قبضہ سے کاغذات لانے پر مامور تھا چلتی گاڑی سے کُودا کہنیاں اور گھٹنے ضرور چھلے مگر ریل کے کنارے کی جھاڑیاں پھاندتا ہوا سڑک پر جا پہنچا ۔ کچھ دور نہر کے پُل پر اس کے لیے موٹر پہلے سے بھیج دی گئی تھی ۔اس میں سوار ہو کر دہلی چلا گیا۔ راستہ بھر اپنی ناکامی اور اپنے پیر و مرشد کی ناراضگی کا خیال کرتا رہا۔

آدھی رات گزر چکی تھی لیکن مرزا اپنے فدائی بندو کی آمد کا انتظار میں سویا نہیں تھا۔ بندو نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر آیا۔ برقع اتار کر علیحدہ پھینکا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ مرزا بلگرامی نے اسے دیکھتے ہی یقین کر لیا کہ ناکام واپس آیا ہے لیکن بجائے ناراضگی کا اظہار کرنے کے نرمی سے کہا۔

’’مجھے تمھاری ناکامی پر افسوس ہے‘ لیکن تمھاری ہیبت کذائی اور گھٹنوں پر زخم دیکھ کر یقین ہے کہ تم نے حتّی المقدور کوشش کی اگرچہ شکار تمھارے ہاتھ سے نکل گیا۔‘‘

بندو نے سب واقعات بیان کیے اور مرزا کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔

بندو تم بڑے کارگزار اور وفادار مرید ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اپنے پیر و مرشد کی خوشنودی کے لیے تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہو۔‘‘

سماور سے پانی لے کر چائے کی پیالی بنائی اور بندو کے سامنے رکھی۔

بندو تم بہت خستہ ہو رہے ہو ۔ چائے پیو اور میرے قریب آ کر بیٹھو۔ تم نے اپنی کارگذاریوں سے مجھے بہت خوش کیا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تمھارے ساتھ معمولی

شاگرد اور مرید کا برتاؤ نہ کیا جائے ۔تم اس بڑے کام میں ہمارے شریک ہو اور انصاف اس کا مقتضی ہے کہ تم سے اس راز کا حال صاف صاف کہہ دیا جائے۔''

بندو کو مرزا کی اس غیر معمولی عنایت پر تعجب تھا۔تخت کے کنارے پر بیٹھ کر چائے پینے لگا مرزا نے ایک تکیہ اس کی طرف بڑھایا۔

''آرام سے بیٹھو اور غور سے سنو ۔ چند روز میں ہم ایک بہت بڑی دولت کے مالک ہو جائیں گے ۔ یہ معمولی دولت نہیں ہے بلکہ سونے کی پہاڑی ہے پھر تمام عمر آرام سے بسر ہوگی۔ یہ لڑکی ہیرا بائی جو اس وقت ہماری قید میں ہے اس دولت کی وارثہ ہے میں اس کے ساتھ شادی کروں کا یا اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور دولت ہماری ہو گی لیکن ہماری راہ میں دو ایک کانٹے ہیں ۔جن کا ہٹانا کامیابی کے لیے ضروری ہے ۔'' مرزا نے بہت تفصیل کے ساتھ لال کٹھور کے تمام حالات بندو کو سنائے۔

''ہمارے گروہ میں دو ایک آدمی ایسے ہیں ہماری محنت سے خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور مجھے نیز تمہیں اس دولت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ زنجیر میں جب کوئی کمزور حلقہ ہوتا ہے تو تمام زنجیر معرضِ خطر میں ہوتی ہے' معلوم نہیں کب ٹُوٹ جائے ۔اس زنجیر کی سب سے کمزور کڑی اس وقت رستم جی ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ پولیس سے مل کر مجھے اور تمہیں دونوں کو گرفتار کرانا چاہتا ہے ۔تم قتل کے اشتہاری مجرم ہو اور رستم جی کے ذرا اشارے پر پولیس تمہیں گرفتار کر کے ایسی جگہ پہنچا دے گی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔''

بندو کو جوش آیا او آنکھیں سرخ ہو گئیں اور کہنے لگا ۔''یا حضرت آپ نے مجھے بڑے خطرے سے آگاہ کیا۔ اگر رستم کا کام تمام ہو جائے تو اس کے حصّے کی دولت کسے ملے گی؟''

''تمہیں۔''

''اندازاً، کتنی ہوگی؟''

''چالیس پچاس لاکھ روپے سے کم نہ ہوگی جب آدمی کے پاس اتنی بڑی دولت ہو تو پولیس اور قانون کی گرفت بھی اس کے لیے ڈھیلی ہو جاتی ہے اور وہ با آسانی کسی دوسرے ملک میں جا کر آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔بندو یقین کرو کہ ایسی زندگی تمھارے

اپنے ہاتھ میں ہے۔''

''یاحضرت آپ کے حکم کی دیر ہے۔''

''شاباش ! اطمینان رکھو۔ تمہیں جلد موقع دیا جائے گا۔ اگر رستم جی کی یہی حالت رہی تو اس کا خاتمہ تمہارے ہاتھ سے ہونا ضروری ہے، جاؤ رات زیادہ ہوگئی آرام کرو۔''

☆☆☆

باب ۲۷

شادی کون کرے گا؟

دولت بُری چیز ہے۔ اس کے ملنے کی امّید پر دنیا میں کتنے جرائم ہوتے ہیں ۔ بیٹا باپ کا دشمن اور انسان اپنے بہترین دوست کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے ۔ زہد وتقویٰ رخصت' راہ و رسم برباد' مرزا بلگرامی جس کی دیانتداری اور مذہبیت کا اس قدر چرچا ہے۔ پانے دیرینہ رفیق اور شریکِ کار رستم جی کی جان لینے کا قصد کرتا ہے ۔دوسری طرف خود رستم جی کو مرزا کی جرائم پیشہ زندگی سے بخوبی واقف ہے ۔ دل میں سوچتا ہے کہ لال کٹھور کی دولت پر خود قبضہ کرلے اور جس قدر جلد ہو سکے مرزا کے سانپ کی ماہیت پولیس پر ظاہر کر کے قتل کے جرم میں اسے گرفتار کرادے اور ہیرا بائی سے شادہ کر کے اس کی تمام دولت پر بلا شرکتِ غیرے قابض ہوجائے۔

چند روز سے رستم جی کی مالی حالت سقیم ہو رہی تھی ۔ گھوڑ دوڑ میں بہت سا روپیہ ہار گیا ۔ تاش بازی میں بھی قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ اس اُدھیڑ بُن میں رات کو نیند بھی اچھی طرح سے نہ آتی تھی۔ افسردگی کی حالت میں کملا بائی کے ساتھ دل بہلایا کرتا تھا مگر وہ بھی ہیرا بائی کی حفاظت کے لیے تہہ خانہ میں بند تھی۔ یہ خیال کر کے کہ کملا بائی اس تاریک کمرے میں پریشان ہو گی۔ اس کی طبیعت میں ہیجان پیدا ہوا اور ارادہ کر لیا کہ آج اسے قید خانے سے نکالا جائے۔ اگرچہ مرزا بلگرامی سے وعدہ کر چکا تھا کہ جب تک لال کٹھور کا معاملہ خاطر خواہ طے نہ پا جائے کملا ' ہیرا بائی کے ساتھ رہے گی شام ہونے بھی نہ پائی تھی کہ رستم جی مرزا بلگرامی کے مکان پر پہنچا ۔ مرزا بلگرامی جو لوگوں کے خیالات اور ارادوں کا اندازہ لگانے میں خوب ماہر تھا۔اس کی آمد کا منتظر تھا۔

’’کہئے مرزا صاحب‘ بندو واپس آیا یا نہیں۔‘‘

’’وہ رات ہی واپس آ گیا۔‘‘

’’مگر آپ نے مجھے اطّلاع نہیں دی۔ میں اس کی مہم کی کامیابی کی خبر سننے کے لیے بے چین تھا۔ غالباً اس کا وار خالی گیا ورنہ آپ مجھے فوراً اِطّلاع دیتے۔‘‘

’’جی ہاں! بندو ناکام رہا اور بکرم سنگھ بھوپال صحیح سلامت پہنچ گیا ہوگا کیونکہ راستے میں جو اور مرید مامور ہوئے تھے ان کا بھی تار نہیں آیا لیکن جو کاغذات اس کے قبضہ میں تھے ان کا حاصل کرنا چنداں ضروری نہیں‘ میں نے دوسری ترکیب سوچی ہے۔‘‘

رستم جی نے ایک سگریٹ سلگایا اور اپنے شریکِ کار سے صاف صاف باتیں کرنے کا ارادہ کیا۔

’’آپ کے قیدیوں کا کیا حال ہے؟‘‘

’’بہت اچھا‘ قیدی کیوں کہتے ہو‘ وہ بڑے آرام سے ہیں۔‘‘

’’اس تنگ و تاریک تہہ خانے میں کیا کوئی آرام سے رہ سکتا ہے۔ کملا بائی اس کی عادی نہیں وہ بہت پریشان ہوگی۔‘‘

’’کیوں نہ ایک بھائی کو اپنی ہمشیرہ کی پریشانی کا خیال ضرور ہونا چاہئے پھر تم جیسا محبت کرنے والا بھائی کملا کے بغیر کیسے اطمینان سے رہ سکتا ہے۔ بہتر ہو کہ اسے یہاں سے لے جاؤ اور اس کی پریشانی نیز اپنے دل کی بے چینی دور کرو۔‘‘

مرزا بلگرامی اس کے اور کملا کے اصلی تعلّقات سے بخوبی واقف تھا۔ ان طنز آمیز باتوں کو سن کر رستم کو غصّہ آیا مگر ضبط کیا۔

’’لیکن ہیرا بائی کے ساتھ کسی کا رہنا ضروری ہے۔‘‘

’’ہیرا بائی تنہا کب ہے‘ میں تو یہاں موجود ہوں۔‘‘

’’لیکن تمہارا مرید بندو بھی یہاں موجود ہے۔ ایسے متبذل مجرم کی ہیرا بائی جیسی لڑکی کے قریب رہنا مناسب نہیں۔‘‘

’’رستم جی! مجھے تعجب ہے تم ہیرا بائی کے خیر خواہ کب سے ہو گئے؟‘‘

’’مرزا صاحب! آپ نہیں سمجھتے۔ کیا کبھی آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ لال کٹھور کی دولت حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہیرا بائی کے ساتھ شادی کر لی جائے۔‘‘

’’بے شک! میں نے بھی اس پر غور کیا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ تمھارے موٹے دماغ میں بھی ایسا خیال آ سکتا ہے۔ شکر ہے اب تم سوچنے اور غور کرنے لگے ہو مبارکباد......‘‘

’’مرزا صاحب اس طنز آمیز گفتگو کو ختم کرو۔ تم ایسے بھونڈے اور بَھدّے طریقے استعمال کرتے ہو کہ اگر میں تمھاری مدد پر نہ ہوتا تو اب تک کسی جیل خانے میں پڑے سڑتے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہیرا بائی نازک طبیعت کی لڑکی ہے۔ اس تہہ خانہ میں بند رہنے سے وہ پھول کی طرح مرجھا جائے گی۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسے لے جا کر اپنے گھر رکھوں۔ جب وہ پہلی مرتبہ میرے ہاں آئی تھی میری بذلہ سنج باتوں اور شاید عمدہ شکل وصورت کا اس پر بہت اثر ہوا تھا۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر جلد راضی ہو جائے گی۔‘‘

’’لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی شادی میرے ساتھ ہونا چاہیے۔ تمھارے لیے کملا بائی جیسی عورت دل بہلانے کے لیے کافی ہے۔‘‘

’’رستم جی کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔‘‘

’’تم جیسے لنگور کے پہلو میں ہیرا بائی جیسی حور...... تمھیں شرم نہیں آتی اپنے بڑھاپے اور بے ہنگم پنے پر خیال کرو اور پھر یاد رکھو۔ تمھاری چندیا پر اتنے بال نہیں جو تمھاری بیوی کی جوتیوں کی مار کو برداشت کر سکیں۔ تمھیں ہیرا بائی کی دولت سے مطلب ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ ہم سب کے لیے کافی ہے۔ ہیرا بائی کے ساتھ میں شادی کروں گا۔‘‘

مرزا جی نے رستم جی کو غور سے دیکھا اور نرمی سے کہا۔

’’ہم کیسے بیوقوف ہیں۔ ایک عورت کی وجہ سے لڑنے پر آمادہ ہیں اس کا فیصلہ کرنے کا ابھی وقت نہیں۔ کل مفصّل باتیں ہوں گی سر دست کیا یہ کافی نہ ہو گا کہ کملا بائی کی صحبت کو غنیمت سمجھو ہیرا بائی کا تہہ خانے سے ابھی نکالنا مناسب نہیں۔ پولیس کے علاوہ بہرام کے گُرگے اس کی تلاش میں ہیں۔‘‘

اس خیال سے کہ رات لطف کے ساتھ گزرے گی رستم جی نے کہا۔

''بہتر ہے ہیرا بائی کے متعلق کل غور کیا جائے گا کملا بائی کو لے آؤ۔''

تھوڑی دیر بعد مرزا بلگرامی کملا بائی کو تہہ خانے سے لے آیا۔ کملا بائی جو تہہ خانے میں اس قدر پریشان تھی۔ رستم جی کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی۔

''خوب ہوا آپ آ گئے۔ ایک دن اور نہ آتے تو میں اس تہہ خانے میں بند پاگل ہو جاتی۔ چلو کسی سینما یا تھیٹر میں بیٹھ کر دل بہلائیں۔''

مرزا بلگرامی نے کملا بائی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا اور دروازہ کھول کر ایک پرچہ کاغذ کا نکالا۔

''رستم جی مجھے کملا بائی کے ساتھ اتّفاق ہے انھیں تھیٹر لے جاؤ۔ آج تماشہ بہت دلچسپ ہے۔ ایک دوست نے میرے لئے ایک بکس محفوظ رکھا تھا جس کا ٹکٹ پیش کرتا ہوں میں آج باہر نہیں جا سکتا۔ آپ جائیں اور تماشہ دیکھیں۔''

رستم جی نے شکریہ کے ساتھ ٹکٹ لے لیا اور کملا بائی کو ساتھ لے کر رخصت ہوا۔ موٹر میں بیٹھ کر کملا بائی نے رستم جی کا ہاتھ اپنی انگلیوں میں دبایا اور سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔

رستم جی اپنی کلفتوں کو بھول گیا اسے خیال بھی نہ ہوا کہ موت اس قدر قریب ہے......

رستم جی کو رخصت کر کے مرزا بلگرامی معاملے کی اہمیت پر غور کرنے لگا رستم جی بلگرامی کے غول کا زبردست ممر اور مرزا بلگرامی کا دست راست اور قوت بازو خیال کیا جاتا تھا، لیکن جب کسی جسم کا کوئی عضو ماؤف ہوجائے اور اس کی وجہ سے تمام جسم میں بیماری پھیلے اور آخر کار موت لازمی نتیجہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس عضو کو کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ علم الابد ان کے اس صریح اصول سے بلگرامی بخوبی واقف تھا اور اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی۔ رستم جی کے رقابت خطرے سے خالی نہ تھی اور اس خطرے کو اپنی راہ سے دور کرنا ضروری تھا اپنے مرید بندو کو بُلایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بندو! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تمھاری دینی اور دنیاوی معراجِ ترقی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ کسی مرید کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ اپنے پیر و مرشد کو خطرے سے بچائے اور

اس کے دشمن سے انتقام لے۔میں اپنے آپ کو اس وقت سخت خطرے میں پاتا ہوں ۔ میرا دشمن نہ صرف میری جان کی فکر میں ہے بلکہ میری شہرت اور نیک نامی کو بھی خاک میں ملانا چاہتا ہے' عین اس وقت جب کہ ہم ایک بڑی دولت کے مالک ہونے والے ہیں۔ اور آئندہ زندگی آرام و اطمینان سے بسر کرنے کی امّید کر رہے ہیں۔ ایک شخص ہمیں ہماری محنت کے ثمرہ سے نہ صرف محروم کرنا چاہتا ہے ۔ بلکہ ہمیشہ کے لیے ذلّت اور افلاس کے تاریک غار میں پھینکنا چاہتا ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ اپنے پیرو مرشد کو ااس خطرے سے بچاؤ اور جو دولت اس وقت بھوپال میں زیرِ زمین دفن ہے اس کے ایک حصّہ کے مالک بنو؟''

''یا حضرت ! آپ کے حکم کی تعمیل فرضِ عین ہے۔ آپ کو خطرے سے بچانا میرے لئے باعثِ سعادت و نجات ہے آپ کے حکم کی دیر ہے۔ حضور بتائیں کہ یہ دشمن کون ہے اور کب تک اسے جہنم واصل کرنا چاہئے۔ مال و دولت کی مجھے اتنی پرواہ نہیں جتنی اپنے پیرو مرشد کو خوش کرنے کی۔''

''شاباش! مجھے تم سے ایسی ہی امّید تھی ۔ اس وقت ہمارا سب سے زیادہ خطرناک دشمن رستم جی ہے جو مجھے اور تمہیں پولیس کے حوالے کر کے ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے اور پھر لال کٹھور کے بے اندازہ دولت پر قبضہ کر لے گا۔''

''اگر حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں؟''

''ضرور' بے تکلّف بیان کرو۔''

''حضور کا مرید ہونے کی حیثیت سے مجھے تعمیل کرنا چاہئے' لیکن حضور خیال تو فرمائیں کہ کسی کو اور وہ بھی اپنے شریک کار کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اگر اس دولت پر ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے سے قبضہ ہو سکتا ہے تو کیا یہ مناسب ہو گا کہ حضور اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دیں' میں آپ کا غلام ہوں اور مرید ہوں ۔ آپ میرے مالک ہیں اس طرح اس دولت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا' مجھے کھانے بھر کو چاہئے پھر قتل جیسے گناہِ عظیم کی کیا ضرورت ہے؟''

مرزا بلگرامی چونکا مگر اپنے تعجب اور غضب کو ضبط کیا۔

''میں معاملے کے مذہبی پہلو کو خوب جانتا ہوں ۔ ایک مرتبہ انتقام کو مسئلہ تمہیں سمجھا

چکا ہوں' یہ حفاظتِ خود اختیاری کا معاملہ ہے۔اپنی جان کی حفاظت کرنا ہر آدمی پر فرض ہے ۔ حفاظت کے لیے اگر دشمن قتل کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہوتا لیکن تمھاری تجویز قابل غور ہے ممکن ہے کہ میں اس پر راضی ہو جاؤں دیر کی گنجائش نہیں ۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی رستم جی یہاں آیا تھا اس کی گفتگو سے اندازہ کرتا ہوں کہ ممکن ہے آج رات ہی کو وہ ہمیں گرفتار کر دے ۔ جیت ہمیشہ اسی کی ہوتی ہے جو پہلے حملہ کرے۔ اوّل کام یہ ہے کہ رستم کا خاتمہ ہو جائے ۔ خیال کرو ہیرا بائی جیسی شکیل بیوی اور لال کٹھور کی بے اندازہ ددولت پر قبضہ کر کے تم دنیا کے خوش حال ترین آدمیوں میں شمار کیے جاؤ گے۔''

''یا حضرت ! حفاظتِ نفس کا مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا۔ آپ کے حکم کی بسر و چشم تعمیل کروں گا۔''

''جزاک اللہ! آج رستم جی کملا بائی کو لے کر تھیٹر جائے گا تم بھی وہاں جاؤ لیکن آج تمھارے بھیس بدلنے کی قابلیت کا پورا امتحان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ علاوہ پولیس کے بہرام اور اس کے خدائی فوجدار بھی وہاں ضرور ہوں گے' بھیس ایسا ہو کو تمہیں ان سب کی تیز نظر سے محفوظ رکھے اور تم اپنا کام کر جاؤ۔''

''یا حضرت !بھیس کا معاملہ مجھ پر چھوڑیئے ۔ آج ایسا بھیس بدلوں گا کہ خدائی فوجدار بھی نہ پہچان سکیں گے۔''

''مرزا نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور بند کر دیا۔''

''بسم اللہ' اسے حفاظت سے رکھو' میں تمھاری کامیابی کے لیے دست دعا رہوں گا۔ یاد رکھو آج رات کی کامیابی پر ہیرا بائی اور لال کٹھور کی دولت تمھاری ہے۔''

''مرزا بلگرامی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بندو جیسا مطیع اور فرمانبردار مرید اس کا رقیب بن جائے گا' ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے کی آرزو کرے گا۔ رستم جی کی رقابت کا اندیشہ کیا کم تھا کہ نیا خطرہ رُونما ہو گیا۔ رستم جی آج بندو کے ہاتھ سے مارا جائے گا مگر بندو کا ایسی آسانی کے ساتھ خاتمہ نہ ہو سکے گا۔ مارِ آستین سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے مگر کامیابی کے لیے یہ سب کانٹے راہ سے ہٹانا ضروری ہیں دیر کی گنجائش نہ تھی کیونکہ بھوپال کی سند کی

تجدید کا وقت ختم ہو رہا تھا۔

سماور گرم تھا۔ دو تین پیالی چائے پی اور کھڑا ہو گیا۔لباس کے معاملے میں مرزا بلگرامی لا پرواہ تھا لیکن آج اس نے صندوق سے اپنے بہترین کپڑے نکال کے پہنے ۔ بالوں میں تیل ڈالا' کاکلوں میں کنگھا کیا۔ ایک چھوٹی شیشی سے عطر لے کر ملا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور مسکرایا ۔ میز سے دو تین انگریزی ناول جو آج ہی خریدے گئے تھے بغل میں دبائے اورتہہ خانے کی طرف روانہ ہوا۔

کملا جب تک پاس تھی ہیرا بائی سے ہر وقت باتیں کرتی رہتی تھی۔ کملا کے نزدیک لباس' زیور اور تھیٹر کے علاوہ اور کوئی مضمون بحث کے قابل نہ تھا۔ تعلیم یافتہ اور سنجیدہ ہیرا بائی کو ان باتوں کے سننے سے الجھن ہوتی تھی ۔ کملا کے جانے کے بعد تہہ خانے میں سکون ہو گیا اور ہیرا بائی کو سوچنے اورغور کرنے کا موقع ملا' وہ اپنی بے بسی اور معذوری کا بخوبی احساس کرتی تھی اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں روا رکھی جاتی ہے اس کا کوئی عزیز مرد نہ تھا جس سے یہ امید ہوتی کہ اسے تلاش کرے لیکن یہ خیال کر کے کہ خدائی فوجدار اس کی مدد ضرور کریں گے اور اس کی رہائی کی فکر سے غافل نہ ہوں گے قدرے اطمینان تھا خصوصاً مسعود جس کی ہمت اور بہادری کا مظاہرہ چند روز ہوئے وہ خود دیکھ چکی تھی۔ بار بار اسے یاد آتا تھا اس کے ساتھ مسعود کی نوجوانی ' اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں' بات کرنے اور مسکرانے کے انداز کا خیال اس کے دل میں ایک نئی کیفیت اور گرمی پیدا کرتا تھا۔ جس کا احساس اسے اب تک کبھی نہ ہوا تھا۔ دل کی حرکت تیز ہوئی' رخساروں کی سرخی بڑھی اور کرسی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگی اور خود ہی سوال کیا۔

''معلوم نہیں مسعود کو میرا خیال ہے یا نہیں ؟ اور اس سے باتیں کرنے پھر موقعہ ملے گا یا نہیں۔''

پھر یکا یک شرمائی اور منہ پر ہاتھ رکھ لئے اتنے میں آہٹ ہوئی اور ہیرا بائی چونکی ۔ مرزا بلگرامی سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ آج مرزا بلگرامی نے معمول سے زیادہ اپنے لباس اور سنگھار پر توجّہ کی

ہے ۔عطر کی خوشبو تہہ خانے میں پھیل گئی۔ مرزا کے ایک ہاتھ میں پھولوں کا گجرااور دوسرے میں کتابیں تھیں۔

''بائی صاحبہ ! آپ تنہائی سے پریشان ہوں گی آج آپ کے لیے یہ ناول لایا ہوں۔ میں ناول کبھی نہیں پڑھتا کیونکہ ان کے پڑھنے سے انسان کے سکون میں فرق آتا ہے اور عشق و محبت کے خیالات برانگیختہ ہوتے ہیں میرے لئے مذہبی کتابیں اور تاریخ و فلسفہ دل بہلانے کے لیے کافی ہیں۔آپ نوجوان ہیں نئ قسم کی تعلیم پائی ہے۔ یہ ناول آپ کے پڑھنے کے قابل ہیں۔''

''ہیرابائی کومرزا کی بے با کی اورعشق ومحبت کے تذکرے پرسخت غصّہ آیا۔''

''مرزا صاحب ! معاف کیجئے۔ کتابیں پڑھنے کے لیے سکون ضروری ہے جو قید کی حالت میں مجھے میّسر نہیں۔ اس تہہ خانے میں پڑے پڑے میں پاگل ہو جاؤں گی' مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔''

''بائی صاحبہ ! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں اور اسے قید خانہ کیوں سمجھتی ہیں۔ یہ آپ کا گھر ہے' میں بہت جلد آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں گا ۔تنہائی بے شک تکلیف دہ ہوگی لیکن آپ زیادہ دیر تک تنہا نہ رہیں گی' وہ وقت قریب ہے کہ آپ میرے ساتھ ہر وقت رہا کریں گی اوررنج وراحت میں میری شریک ہوں گی۔''

ہیرابائی غصّہ اورخوف سے کانپنے لگی۔''

''مرزا صاحب ! آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک بے بس لڑکی سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ مجھے مرنا گوارہ ہوگا مگرآپ کے ساتھ ہرگز نہ رہوں گی۔''

مرزانےقہقہہ لگایا۔

''ہیرا بائی ! آپ میری بات کا مطلب غلط سمجھیں' آپ خیال نہ کریں کہ جس طرح کملا بائی رستم جی کے ساتھ رہتی ہے اسی طرح آپ بھی میرے ساتھ رہیں گی۔ میں مذہبی آدمی ہوں آپ کے ساتھ نکاح کروں گا اور میری بیوی اور اس گھر اور سازو سامان کی مالک ہوں گی۔''

''یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اوّل تو آپ مسلمان ہیں اور میں پارسی' پھرآپ اپنی صورت کے دیکھئے' اپنی

عمر اور اپنی سیہ کاری اور جرائم پیشہ زندگی کا خیال کیجئے۔"

"تم نا تجربہ کار ہو۔ مرد کی صورت کا خیال کرنا بے کار ہے اس کی قابلیت دیکھی جاتی ہے ۔ بڑے بڑے بزرگان دین نے زیادہ عمر میں نو عمر لڑکیوں کے ساتھ شادی کی ہے جو بڑی کامیاب ثابت ہوئی ہے ۔رہا پارسی اور مسلمان کا فرق، عشق و محبت کے معاملہ میں قوم اور مذہب کوئی چیز نہیں ۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ بمبئی کے ایک بڑے تاجر نے جو مسلمان ہے وہاں کے بڑے متموّل پارسی کی لڑکی سے شادی کی ہے جو ہر لحاظ سے کامیاب ہے ۔ ملک کی ترقی جب ہی ہوسکتی ہے کہ شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات پات اور مذہب و ملّت کی تفریق مٹا دی جائے کیا میری طرح تم اپنے ملک کی ترقی کی خواہاں نہیں ہو؟ تم ایک بڑی دولت کی مالک ہونے والی ہو، دولت اتنی زیادہ ہے کہ ہم ہندوستان میں سب سے بڑے امیر سمجھے جائیں گے۔بمبئی، پونہ، مسوری اور شملہ میں ہمارے بڑے مکانات ہوں گے ۔ ہر سال یورپ کی سیر ہوا کرے گی، بڑے بڑے قومی لیڈر اور والیانِ ملک تمھاری میزبانی کی تمنّا کریں گے۔ہماری دولت ہندوستان کی غربت اور افلاس اور کیا تعجب ہے کہ سیاسی کمزوری کو دور کردے گی۔ میرا تجربہ اور عجیب و غریب دماغی قوت،تمھاری نوجوانی ، خوبصورتی اور رعنائی متحد ہو کر جب ہندوستان کی فضاء پر نظر آئے گی تو عجیب نظارہ ہوگا ۔ کیا یہ عظیم الشّان زندگی تمھارے تخیل کو متحرک نہیں کرتی ؟ آؤ پیاری ہیرا یہ پھولوں کو گجرا اپنے گلے میں ڈال لو، اور کل شادی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

مرزا مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور پھولوں کا گجرا ہیرا بائی کے گلے میں ڈالنا چاہا۔ مگر ہیرا بائی نے گجرے کو زمین پر پھینک کے پاؤں سے کچل دیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اے ظالم اور سفّاک آدمی ! یہ ہر گز نہ ہوگا۔ میں بھیک مانگنا گوارہ کر لوں گی اور موت کو ترجیح دوں گی مگر تمھارے ساتھ شادی کرنے پر کبھی راضی نہ ہوں گی ۔ خدا میری مدد کرے گا اور تم اپنے ظلم کی سزا پاؤ گے۔"

مرزا نے قدرے سکوت کیا اور پھر سنجیدگی سے کہا۔

"بہتر ہے میں تمہیں رات بھر غور کرنے اور سوچنے کے لیے دیتا ہوں، کل آؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور تمھارے ساتھ شادی کروں گا۔ سب انتظام ہو چکا ہے۔ میرا فیصلہ اٹل ہے..........!!!"

☆☆☆

باب ۲۸

چالیس چوروں کا تماشہ

عین اس وقت جبکہ مرزا بلگرامی اپنے جرائم کی بساط پر ایسی زبردست چالیں چل رہا تھا اور فرزین کو پیٹ کر مات دینے اور بازی جیتنے کا انتظام کر رہا تھا خدائی فوجدار خاموشی کے ساتھ محلّہ بلی ماران میں بیٹھے ہوئے اسے شہ دینے اور بازی ہرانے کی فکر میں تھے ۔ شام کو تار سے خبر آچکی تھی کہ بکرم سنگھ زندہ سلامت بھوپال پہنچ گیا۔ اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا لیکن باوجود تلاش کے ہیرا بائی کا اب تک کچھ پتہ او رنشان نہ ملا تھا ۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مُردہ' دیر کی اب گنجائش نہ تھی ۔ ہر طرف تلاش جاری تھی۔ ننھے خان جو بہرام کا خاص آدمی تھا' بلگرامی کے مکان اور احاطے کا جائزہ لینے کے لیے خاص طور پر مامور کیا گیا تھا' مگر اب تک اسے بھی کوئی مفید بات معلوم نہ ہوئی تھی۔تینوں دوست معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہے تھے۔ مسعود ضرورت سے زیاد ہ سنجیدہ اور قدرے متفکّر معلوم ہوتا تھا۔ دن کے وقت تھوڑی دیر کے لیے سو گیا تھا۔مگر ہیرا بائی کو خواب میں دیکھا اور چونک پڑا۔ اسے یقین تھا کہ ہیرا بائی قید کی حالت میں مسعود کی آمد کا انتظار کر رہی ہے ۔ میرٹھ سے رخصت ہوتے وقت ہیرا بائی نے مسعود سے دریافت کیا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں؟ اس وقت سے اس مسئلہ پر کافی غور کیا گیا اور ہیرا بائی کے سوال کا جواب دینے کے لیے بے چین تھا مگر ہیرا بائی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور کسی مخبر نے اِطّلاع دی کہ سنگم تھیٹر میں ایک کوش مرزا بلگرامی نے محفوظ کیا ہے اور اس کر گروہ کے دوایک آدمی شام کے وقت تھیٹر کے آس پاس دیکھے گئے ہیں بہرام نے کہا۔

''مسعود تمھاری کیا رائے ہے ۔ آج تھیٹر میں '' علی بابا ...... چالیس چور ...... کا تماشہ

ہے۔‘‘

’’بظاہر تماشہ معمولی قسم کا ہے لیکن مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے کہ بلگرامی جیسے مذہبی آدمی کو تماشہ دیکھنے کا شوق ہوا ہے تو وہ ہمارے لئے دلچسپ ضرور ہونا چاہئے۔‘‘

’’یہ امید تو نہیں کی جاسکتی کہ مرزا بلگرامی ہیرا بائی کو تھیٹر لے آئے گا لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج بلگرامی سے آخری گفتگو کی جائے ۔ اگر دلیل کارگر نہ ہو تو جب تک ہیرابائی کا پتہ نہ چلے مرزا کی آزادی سلب ہونا چاہئے۔‘‘

’’اس کے پتّھر دل میں خدا کا خوف ڈالنا مشکل ہے مگر گرم لوہے سے داغنے کی دلیل ایسی ہے جو ضرور کارگر ہو گی۔ آخر دنیا کب تک اس دغا باز کے ظاہری تقدّس اور اشتہاری سرگرمی کے دھوکے میں رہے گی۔ آؤ کھانا کھا کر تھیٹر چلیں۔‘‘

تھیٹر میں آج معمول سے زیادہ ہجوم تھا۔ علاوہ معمولی تماشائیوں کے بہت سے ممبرانِ اسمبلی اور اعلیٰ افسرانِ حکومت تماشہ دیکھنے آئے تھے ۔ تھیٹر کے باہر گاڑیوں اور موٹروں کی قطاریں دور تک لگی ہوئی تھیں مسعود نے گھوم پھر کر دیکھا مگر ابھی تک مرزا بلگرامی کی موٹر وہاں نہ تھی ۔ صدر دروازہ پر کسی قدر تاریکی میں کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے ۔ تماشائیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک تانگہ تھیٹر کی سیڑھیوں کے مقابل رکا اور ایک بڈّھا سکھ موٹی لکڑی کے سہارے سے نیچے اُترا ۔ کمر میں خم پڑا ہوا' بایاں شانہ کسی قدر اُٹھا ہوا' مشکل سے چلا جاتا تھا۔ پولیس کانسٹیبل نے جو صدر دروازہ پر گاڑیوں کے انتظام پر معمور تھا کہا۔

’’سردار جی' جلد اوپر چڑھئے' موٹر آ رہا ہے۔‘‘

بے چارہ سِکھ لڑکھڑایا اور پولیس مین کی طرف مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا ۔ مسعود قریب ہی اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا ۔ اس بڈّھے کی پریشانی دیکھ کر نیچے آیا اور ہاتھ کا سہارا دے کر سیڑھیوں پر چڑھایا ۔ دل میں تعجب کرتا تھا کہ اس بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں تھیٹر دیکھنے کا شوق سمایا ہے مگر کیوں نہیں ۔ تفریح کو کس کا دل نہیں چاہتا دروازہ پر پہنچ کر بڈّھا ہانپنے لگا۔

’’بھیّا' گھٹیا بڑی بری بیماری ہے ۔ آپ نے بڑی مہربانی کی' اتنی اور عنایت کرو کہ مجھے

اندر بٹھادو، میرے پاس درجۂ اوّل کا ٹکٹ ہے۔''

درجۂ اوّل کی کرسیاں درجۂ خاص کوچوں کی پشت پر تھیں۔ کنارے کی کرسیاں بھری ہوئی تھیں لیکن چار کرسیوں کے بعد جگہ خالی تھی ۔بڈّھے کو وہاں تک پہنچنے میں تکلیف ہوتی اس لئے ایک شریف تماشائی نے کنارے کی کرسی خالی کردی۔

''سردار جی! آپ اس کرسی پر بیٹھیں، میں کسی اور جگہ بیٹھ جاؤں گا۔''

بڈّھے اس تماشائی نیز مسعود کا شکریہ ادا کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے سامنے خاص درجہ کی کوچ جو پہلے سے محفوظ تھی خالی تھی۔ تماشہ شروع ہونے والا تھا۔ مسعود اس اس کے دوست بھی درجۂ خاص کے کوچ پر جو وسط میں تھی، بیٹھ گئے ۔مگر بار بار پھاٹک کی جانب دیکھتے تھے اور تعجب تھا کہ مرزا بلگرامی جس کے لیے کنارے کی کوچ محفوظ تھی۔ کیوں نہیں آیا۔

''بڈھا سِکھ کرسی پر بیٹھ کر اپنے دل میں بہت خوش تھا اور اپنے بھیس پر ناز کر رہا تھا کہ آج خدائی فوجداروں کو دھوکا دیا۔

یہ بندو تھا! جو مرزا بلگرامی کی تعمیلِ حکم کے لیے تھیٹر آیا تھا۔

''پردہ اُٹھتے ہی کو تھا کہ مسعود نے کہنی سے مہراب جنگ کو صدر دروازے کی طرف متوجّہ کیا۔ کملا بائی گہرے رنگ کی ساری پہنے ہوئے جس میں گورے گورے سڈول ہاتھ شانے تک باہر نکلے ہوئے، نصف سینہ کھلا ہوا جس پر ایک جڑاؤ نکلس (ہار) انگریزی وضع کا، برقی روشنی میں جگمگا رہا تھا ۔ رخساروں پر غازہ، آنکھوں میں سُرور، چال میں اٹھلاہٹ، رستم جی کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھی ۔ سِرے کی کوچ پہلے سے محفوظ تھی۔ رستم جی نے کملا بائی کا کوٹ کوچ کے تکیہ پر رکھا۔ دونوں آرام سے پیر پھیلا کر بیٹھ گئے ۔ اتنے میں پردہ اُٹھا اور تماشہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کملا نے کہا۔

''کیسا عمدہ تماشہ ہے اور کیسا لطف ہے۔ اس تہہ خانے میں بند میں پاگل ہوتی جاتی تھی۔''

رستم جی نے کملا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

’’کملا تم کس قدر نازک اور خوب صورت ہو ۔ اطمینان رکھو اب تم اس تنگ اور تاریک تہہ خانے میں کبھی نہ جاؤ گی۔‘‘

کملا یکا یک چونکی اور بیچ کی کوچ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

’’بھائی صاحب‘ ادھر دیکھئے۔خدائی فوجدار یہاں بھی موجود ہیں۔خدا خیر کرے۔‘‘

’’تم ان بدمعاشوں سے ڈرتی کیوں ہو۔وہ ہمارا کیا کر سکتے ہیں؟‘‘

رستم جی نے دیکھا کہ تینوں دوست کوچ پر بیٹھے ہوئے آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں اور بظاہر ان کی طرف خیال بھی نہیں ہے۔

اتنے میں وہ سین آیا جب رات کے اندھیرے میں علی بابا کو ہوش مندی مرجینا تیل نکالنے کے لیے سوداگر کے کُپّو ں کے پاس جاتی ہے اور جس کُپّے کو کھولتی ہے اس میں بجائے تیل کے ایک قزاق کو بند پاتی ہے۔ قزاق کے سوال ’’کیا وقت آ گیا‘‘ کا بڑے اطمینان سے ’’ابھی نہیں ‘‘ کہہ کر جواب دیتی ہے اور پھر گرم تیل ڈال کر اُھیں ہلاک کرتی ہے۔ رات کا سماں پیدا کرنے کے لیے نہ صرف اسٹیج کی بلکہ سارے تھیٹر کی اندرونی بتّیاں گُل کر دی گئی تھیں۔ تماشہ کا یہ حصّہ اس قدر دلچسپ تھا کہ ہر شخص کو توجّہ اسٹیج کی طرف تھی بالکل خاموشی اور سنّاٹا تھا‘ کملا آگے جُھکی ہوئی مرجینا لونڈی کی نقل و حرکت دیکھ رہی تھی اور اس کی ہمت اور چالاکی پر تعجب کر رہی تھی ۔ رستم جی بہت اطمینان کے ساتھ کوچ کے تکیہ سے سر لگائے غالبًا لال کٹھور کی دولت اور اپنی کامیابی اور ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔

تھوری دیر بعد سین بدلا اور تمام تھیٹر روشنی سے جگمگانے لگا۔ تعریف اور تحسین کی تالیاں بجنے لگیں۔

کملا بائی بہت مسرور تھی اور زور زور سے تالیاں بجا رہی تھی ۔رستم جی کی طرف رخ کیا اور حیران ہو گئی۔

رستم جی کی آنکھیں کھلی تھیں۔ کوچ کے تکیہ پر گردن رکھے اور بے حس و حرکت اسٹیج یا کملا بائی کی طرف نہیں ۔ بلکہ تھیٹر کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کملا بائی نے گھبراہٹ سے

کہا۔

’’ہائیں تمہیں کیا ہوگیا؟‘‘

ہاتھ پکڑ کر کھینچا مگر اثر نہ ہوا ہاتھ سرد اور سخت تھا۔

کملا بائی سمجھ گئی اور زور سے چیخی۔

بہرام اور اس کے دوست اپنی کوچ سے دوڑے اور آنِ واحد میں رستم جی کے کوچ کے سامنے پہنچے ۔ ایک نظر ڈالتے ہی سمجھ گئے کہ رستم جی مرگیا ہے۔ کان کے پیچھے گردن پر سرخ نشان دیکھ کر یقین ہو گیا کہ رستم جی کو مرزا بلگرامی کا سانپ ڈس گیا۔ بہرام نے کہا۔

’’کوئی ڈاکٹر یہاں ہوں تو مہربانی کر کے آئیں۔‘‘

پیچھے کی نشست سے ایک انگریز ڈاکٹر آیا نبض دیکھی' دل پر ہاتھ رکھا اور سنجیدگی سے کہا۔

’’یہ مرگیا!‘‘

اس کا سننا تھا کہ کملا بائی نے چیخ ماری اور کوچ پر بے ہوش ہو کر گر پڑی ۔تھیٹر کا منیجر اور کئی ملازم آ چکے تھے۔ پردے کے اُٹھنے میں جو دیر ہوئی تو پیچھے کی نشستوں کے تماشائیوں نے سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اپنی بے چینی کا اظہار کیا ۔ سوائے ان چند لوگوں کے جو رستم جی کی کوچ کے گرد جمع تھے ۔کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ اسٹیج کی طرف سے ایک عورت جونز کا لباس پہنے تھی اس طرف آئی اور کہنے لگی۔

’’میری مدد کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں۔‘‘

منیجر نے کملا بائی کی طرف اشارہ کیا اور وہ کملا بائی کو اسٹیج کے دروازہ سے اندر لے گئی ۔ منیجر نے بآواز بلند کہا۔

’’حاضرین ! آپ بے چین نہ ہوں۔ تماشہ فوراً شروع ہوتا ہے ۔ بائی جی کو ہسٹریا کا دورہ پڑا ہے اور ان کے ساتھی بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اس توقّف کا مجھے افسوس ہے۔‘‘

پردہ اُٹھا اور بینڈ بجنے لگا اور سِوائے چند کے سب تماشائی اپنی جگہ بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگے۔

وہ تین آدمی رستم جی کو اُٹھا کر اسٹیج کے دروازہ سے اندر لے گئے اور دوڈاکٹروں نے ازسرِ نو معائنہ کیا ۔ ہاتھ کی رگ میں پچکاری سے دوا بھری مگر رستم جی کبھی کا مر چکا تھا۔ جس وقت یہ ہو رہا تھا خدائی فوجداروں نے سِکھ بڈّھے کو تلاش کرنا شروع کیا مگر اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پشت کی جانب سے اسٹیج کے اندر گئے کہ کملا بائی کو ہوش آگیا ہوگا۔ اس سے قاتل کا پتہ نہ چلا تو ہیرابائی کے پوشیدہ ہونے کی وجہ تو معلوم ہو ہی جائے گی مگر انھیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ کملا بائی وہاں نہیں ہے۔ ذرا دیر ہوئی ایک آدمی آیا جس نے کہا کہ وہ بائی صاحبہ کا ملازم ہےاور موٹر میں بٹھا کر لے گیا۔

مسعود نے غصّہ سے اپنی انگلی کاٹی اور کہا۔

’’افسوس‘ کیا دھوکا ہوا میری آنکھ کیا پُھوٹ گئی تھی۔ بڈّھے سِکھ کے بھیس میں بندو تھا جورستم جی کو مار کر کملا بائی کو لے بھاگا۔‘‘

مہراب جنگ نے مسعود کے شانے پر ہاتھ رکھااور ہمدردی سے کہا۔

’’بے شک بندو نے آج کمال کا بھیس بدلا تھا اور میں بھی نہ پہچان سکا۔ بلگرامی کی قابلیت کی تعریف کرنا چاہئے کہ کس عمدگی سے اس نے جال بچھایا ۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ۔ نرس پہلے سے مقرر تھی اور ایک آدمی اوّل درجہ میں پہلی نشست پر بٹھا دیا گیا تھا تاکہ جس وقت بندو آئے اسے رستم جی کی کوچ کے پیچھے با آسانی جگہ مل جائے......‘‘ رستم جی کی زندگی کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا اور میری پیشن گئی کے بموجب اسے بلگرامی کا سانپ ڈس گیا۔ یہاں وقت ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ۔ گھر چلیں‘ ادھر ہیرا بائی کے متعلق ننھے خان کوئی خبر لایا ہو۔ نہ معلوم بے چاری کس حال میں ہے یہ بھی نہیں معلوم کہ زندہ ہے یامرگئی۔‘‘

مسعود نے سنجیدگی سے کہا۔

’’اگراس کابال بھی بیکا ہواتو بلگرامی کتّے کی موت مارا جائے گا۔‘‘

گھر پہنچے تو ننھے خان کو موجود پایا۔ ننھے خان مرزا بلگرامی کے گھر کی خفیہ نگرانی پر کئی دن سے مامور تھااس نے سنجیدگی سے کہا۔

''حضور اندھیرا ہو جانے کے بعد میں مرزا کے احاطے میں گیا اور کھنڈر میں گھومنے لگا مجھے وہاں اگربتی کی خوشبو معلوم ہوئی ۔ میں ایک سوراخ کی طرف گیا جہاں سے یہ خوشبو آرہی تھی ایک پتھر ہٹایا تو روشن دان نظر آیا پھر مجھے کسی کے بات کرنے کی آواز معلوم ہوئی۔ آواز مرد کی نہ تھی بلکہ عورت کی تھی۔''

''شاباش تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہیرا بائی اس تہہ خانے میں قید ہے۔''

'' اس کے بعد میں احاطے کی دیوار کے قریب ایک درخت پر چڑھ گیا اور دیکھتا رہا پھر کسی کو کھنڈر کی طرف آتے اور تھوڑی دیر بعد باہر جاتے دیکھا ۔ آدھی رات کے قریب ایک بڑی موٹر آئی اور احاطے کی پشت پر جہاں ایک دروازہ ہے' کھڑی ہوگئی۔''

بہرام کرسی سے کھڑا ہوا۔ ننھے خان کو شاباشی دی اور کہا۔

''مسعود اب دیر کی قطعیً گنجائش نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے بندو کی رپورٹ سننے کے بعد بلگرامی' ہیرا بائی کو کہیں لے جائے گا۔ میں بلگرامی کی خبر لیتا ہوں ۔ تم احاطے کے باہر جو موٹر کھڑا ہے اس پر قبضہ کرو۔ اس کے شوفر کو بے ہوش کر کے خود اس کے کپڑے پہن لینا میں صدر دروازے سے براہِ راست بلگرامی کو پاس جاؤں گا۔ خدا حافظ۔''

☆☆☆

باب ۲۹

مرزا بلگرامی کا خواب

جس وقت تھیٹر میں ڈاکٹر اور دوسرے آدمی رستم کے گرد جمع تھے اور اس کی بے ہوشی اور موت پر تعجب کر رہے تھے ۔ بندو جو بڈّھے سِکھ کے بھیس میں اپنا وار کر چکا تھا خاموشی سے باہر گیا اور موٹر میں بیٹھ گیا۔ ذرا دیر بعد مرزا کے غول کا ایک آدمی اور نرس' کملا بائی کو حالت بے ہوشی میں لے کر آئے اور بندو کے سپرد کردیا۔ موٹر فوراً تیزی سے روانہ ہوئی ۔ ٹھنڈی ہَوا چل رہی تھی ۔ کملا بائی نے نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولیں اور خیال کیا کہ تماشہ ہو چکا اور وہ رستم جی کے ساتھ گھر واپس جا رہی ہے لیکن فوراً یاد آیا کہ رستم جی کوچ پر مُردہ پایا گیا تھا' پھر وہ کہاں جا رہی ہے اور موٹر میں اس کی ساتھ کون بیٹھا ہے۔موٹر ایک چوراہے سے گزری اور برقی روشنی موٹر میں آئی تو بندو کو اپنے پاس پا کر چونکی اور موٹر سے کُودنے کی کوشش کی ۔ بندو نے کمر سے پکڑ کر بٹھادیا اور کہا۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو۔رستم جی کوغش آ گیا تھا اور اب اچھے ہیں۔''

''تم جھوٹ کہتے ہو۔تم بڑے ظالم اور بے رحم قاتل ہو' تم نے ہی میرے پیارے رستم کو مارڈالا ہے۔ہائے ہائے۔''

یہ خیال کر کے سڑک پر کوئی جارہا ہوگا اور اس کی آواز سب کر مدد کو پہنچے گا زور سے چیخنے لگی ۔بندو نے ایک ہاتھ منہ پر رکھا اور سختی سے کہا۔

''تم رستم جی کی طرح مرنا نہیں چاہتی ہو تو چپ رہو۔''

اگرچہ بول نہیں سکتی تھی لیکن ہاتھ پاؤں چلانا اور بندو کو نوچنا شروع کردیا۔

بندو نے اپنی جیب سے چھوٹی سے پچکاری جس میں بے ہوشی کی دوا بھری ہوئی تھی نکالی

اور کملا بائی کے بازو میں چھبو دی۔ کملا بائی بے اپنے آپ کو بندو کی گرفت سے چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر بےبس تھی ذرا دیر میں وہ بے ہوش ہوگئی۔

مرزا بلگرامی بے چینی کے ساتھ بندو کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ آج رات کی کامیابی پر سب کچھ منحصر تھا۔ اگر بندو ناکام رہا تو رستم جی کی رقابت اسے لال کٹھور کی دولت سے محروم کر دے گی۔ بھوپال کی سند کی معیاد ختم ہو رہی تھی اور دیر کی گنجائش نہ تھی ۔ کیا حَسن بِن سباح سے برتری اور فوقیت کا جو دعویٰ تھا۔ وہ غلط ثابت ہوگا؟ ہیرا بائی سے شادی کرنے اور لال کٹھور کی دولت پر قبضہ کرکے اپنی آئندہ شاندار زندگی کو تصویر اس کے ذہن میں تھی۔ حرفِ غلط کی طرح مٹ جائے گی؟ نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا ۔ اس کا انتظام مکمّل تھا۔ اور ہر ایک بات کا پہلے سے خیال کر لیا گیا تھا۔ مشین کے سب پُرزے اپنی جگہ پر کام کر رہے تھے اور ناکامی کا احتمال بہت کم تھا پھر بھی قسمت کو انسانی انتظامات میں دخل تھا۔ مگر بلگرامی اس کا قائل نہ تھا اور تقدیر پر تدبیر کی فوقیت کو مطابق قانونِ قدرت سمجھتا تھا۔

اتنے میں موٹر برآمدے کے سامنے رکی اور بندو اندر آیا اور دوزانو ہو کر اپنے پیرو مرشد کے ہاتھ چُومنے لگا اور جوش میں آکر بولا۔

''یا حضرت! آپ کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ رستم مرگیا۔''

مرزا بلگرامی نے اپنے مرید کو شاباشی دی اور کہا۔

''بندو آج تم نے اپنی کارگزاری سے مجھے بہت خوش کیا۔ میں تمھارے لئے دعا کروں گا۔ اب تمھاری عاقبت درست ہو جائے گی۔''

''یا حضرت ! عاقبت کی خبر خدا کو ہے۔ یہ بتائیے کہ ہیرا بائی کے ساتھ میری شادی کب ہوگی؟ اور میرے حصّہ کی دولت کب ملے گی۔ پولیس والے اور خدائی فوجدار میری فکر میں ہیں۔ جلدی کیجئے۔''

بندو کے تیور دیکھ کر مرزا متفکّر ہوا۔ مگر حکمتِ عملی سے کام لینے کا وقت تھا۔

''بندو اطمینان رکھو تمھاری خوشحالی کا زمانہ قریب ہے ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ اس وقت تمہیں کسی محفوظ جگہ چُھپانا ضروری ہے، پولیس تمھاری تلاش میں کوئی دَم میں آیا

چاہتی ہے اور کملا بائی کہاں ہے؟''

''موٹر میں بے ہوشی پڑی ہے ۔معلوم ہوتا ہے اندھیرے میں بے ہوشی کی دوا بدن میں زیادہ پہنچ گئی۔''

بندو نے کملا بائی کو گود میں اُٹھایا۔ مرزا نے موٹر کو احاطے کے باہر بھیجا اور پھاٹک بند کر کے کملا کو تہہ خانے میں لے گئے ہیرا بائی آہٹ پا کر بستر سے اٹھ بیٹھی اور ایسے ناوقت مرزا بلگرامی اور بندو کو کمرے میں دیکھ کر سہم گئی مرزا بلگرامی نے کملا کو خالی بستر پر لٹایا اور کہا۔

بائی صاحبہ ! مجھے افسوس ہے کہ آپ کی نیند میں خلل پڑا ۔ کملا بائی تماشہ دیکھنے تھیٹر گئی تھی واپسی کے وقت دَورہ پڑا اور بے ہوش ہوگئی ۔تھوڑی دیر میں' ہوش آجائے گا۔''

ہیرا بائی خاموش رہی۔ اس نے دیکھا کہ بندو مرزا کے پیچھے کھڑا ہوا۔ اُسے للچائی نظروں سے گُھور رہا ہے ۔ مرزا بلگرامی اور بندو زینہ چڑھ کر اوپر گئے اور تہہ خانے کا پَٹ بند ہو گیا۔

ہیرا بائی بستر سے اُٹھی ۔ تسلے میں پانی بھر کر لائی' منہ پر چھینٹے دیئے پھر تولیہ بھگو کر پیشانی اور سر پر رکھا ۔ تھوڑی دیر بعد کملا بائی نے آنکھیں کھولیں اور ہیرا بائی کی طرف دیکھ کر زور سے چیخی اور منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔

''مجھے نہ مارو۔سانپ......وہ آرہا ہے۔''

''ہیرا بائی نے حلق میں پانی ڈالا اور گلے لگا کر کہا۔''ڈرو نہیں......میں ہوں ہیرا بائی!''

کملا بائی نے آنکھیں کھولیں ۔ ہیرا بائی کو پہچانا اور زارو قطار رونا شروع کیا۔ جب کسی قدر طبیعت سنبھلی تو ہیرا بائی نے ہمدردی سے دریافت کیا۔

''اچھی کملا پریشان نہ ہو۔خیر تو ہے' کیا ہوا؟''

''غضب ہوا ۔ میں برباد ہوگئی ۔ مرزا کے سانپ نے میرے رستم کو ڈس لیا ۔ ہائے...... ہائے......''

''کملا طبیعت کو سنبھالو۔ بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟''

کملا نے تھیٹر کا واقعہ بیان کیا۔''ہائے میرے رستم کو بندو نے مار ڈالا۔ مجھے بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔کاش خدائی فوجدار اسے پکڑ لیتے۔''

’’کیا خدائی فوجدار تھیٹر میں تھے اور انھیں یہ سب حال معلوم ہے؟‘‘

ہاں! بہرام‘ مسعود اور ایک اور آدمی‘ سب وہاں تھے لیکن میرے رستم کو نہ بچا سکے۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ بڈّھے سِکھ کے بھیس میں بندو ہمارے پیچھے بیٹھا ہے۔ میں تماشہ دیکھنے میں ایسی محو تھی کہ بندو اپنا وار کر گیا۔‘‘

’’کملا گھبراؤ نہیں۔ خدائی فوجدار ضرور بندو کو ڈھونڈ نکالیں گے اور سزا دیں گے۔‘‘

ہیرا بائی کو یقین تھا کہ مسعود ضرور پتہ لگائے گا اور تہہ خانے کی قید سے آزاد کرے گا لیکن پھر مرزا کی باتوں کا خیال آیا اور کانپنے لگی۔

اتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی کملا نے بھی سنا اور کہا۔

’’خدا خیر کرے۔ بندو آ رہا ہے۔‘‘

ہیرا بائی نے مڑ کر دیکھا‘ دروازہ آہستہ کُھلا اور بندو تہبند باندھے ایک میلا کوٹ پہنے آگے بڑھا۔ اس کی آنکھوں سے شکاری جانوروں کی ایسی خونخواری اور بے رحمی چمک رہی تھی اس کے تیور دیکھ کر دونوں لڑکیاں سہم گئیں وہ ہیرا بائی کی طرف بڑھا۔

بائی جی جلد تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ رستم جی تمھارے ساتھ شادی کر کے لال کٹھور کی دولت پر قابض ہونا چاہتا تھا بڑے لمبے سفر کو چل دیا۔ اب میں تمھارے ساتھ شادی کروں گا۔ پونہ اور بمبئی چل کر رہیں گے جہاں بہت اچھے تھیٹر ہیں اور روز تھیٹر جایا کریں گے۔‘‘

ہیرا بائی نے اپنی بے بسی پر خیال کر کے دل میں دعا مانگی۔’’اے خدا! اپنی رحمت سے کسی کو بھیج کر مجھے ان ظالموں کی قید سے آزاد کر یا موت دے۔‘‘

اسے یقین تھا کہ بہرام یا مسعود اس کی آزادی کی فکر سے غافل نہ ہوں گے۔ مرزا بلگرامی کے ساتھ شادی کا خیال کیا کم جاں سوز تھا کہ یہ قاتل اور بد تمیز آدمی اس کے ساتھ شادی کی آرزو کرنے لگا۔ اگر اس خونخوار آدمی کی دسترس سے بچتی ہے تو صبح کو مرزا سے سابقہ پڑے گا۔ سخت پریشان تھی‘ بندو کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر کہا۔

’’خبردار جو تم آگے بڑھے میں بہت غریب لڑکی ہوں۔ میرے پاس کوئی دولت نہیں ہے

تم مرزا بلگرامی کے دھوکے میں آ گئے ہو۔اس نے تمہیں میری دولت مندی کا سبز باغ دکھا کر تمھارے ہاتھ سے رستم جی کو قتل کرا دیا اور میں اندازہ کرتی ہوں کہ مرزا یا تو تمہیں مار ڈالے گا یا جیل میں بھجوا دے گا۔ اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ پولیس اور خدائی فوجدار تمھاری تلاش میں ہیں ۔تم گرفتار ہو گے تو رستم جی کے قتل کے جُرم میں سُولی پر لٹکائے جاؤ گے اگر تمھارے دل میں ذرا بھی رحم ہے تو میری مدد کرو ۔ خدائی فوجداروں سے جن کا سردار بہرام ہے میرے قید ہونے کی جگہ کی اِطّلاع کر دو۔ بہرام چاہے گا تو تمہیں پولیس کی گرفت سے بچالے گا۔''

مگر بندو انسان نہیں تھا جس کا دل ایک بے بس لڑکی کی فریاد سے نرم پڑتا۔ وہ اپنی کامیابی پر مست تھا اور اس لڑکی سے شادی کرنے اور دولت مند بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہیرا بائی کو للچائی نظروں سے اس طرح دیکھ رہا تھا جس طرح بلی چوہے کو اپنی گرفت میں پا کر خوش ہوتی ہے۔

''تم دولت مند نہیں غریب سہی ۔تمھاری خوبصورتی کوئی معمولی دولت نہیں، سرِ دست مجھے یہی کافی ہے۔ پولیس اور بہرام کا خوف مجھے نہیں ہے اور نہ وہ تمہیں میرے قبضہ سے چُھڑا سکتے ہیں چلو وقت کم ہے۔موٹر تیار ہے۔''

''غریب ہیرا بائی کو مایوسی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس خونخوار جانور کے چنگل سے رہائی مشکل نظر آتی تھی ۔ بندو کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر کملا بائی کے پیچھے ہوگئی اور ساری جان سے کانپنے لگی۔یکا یک کملا بائی نے جست کی اور بندو سے چمٹ گئی۔

''ہیرا بائی درواز ہ کھلا ہوا ہے' بھاگ جاؤ ۔اس کم بخت نے میرے رستم کو مار ڈالا ہے مجھے بھی مار ڈالے گا تو غم نہیں میں رستم کے پاس پہنچ جاؤں گی۔''

کملا بائی کی بساط ہی کیا تھی ۔ ہیرا بائی دروازہ کی طرف جانے بھی نہ پائی تھی کہ بندو نے کملا کا گلا دبایا۔ اس کی آنکھیں نکلی پڑتی تھیں وہ نیم جان ہوگئی ۔ بندو نے اسے پلنگ پر پھینکا جہاں وہ بے ہوش ہوکر ،گر پڑی۔ بندو نے ہیرا بائی کا ہاتھ پکڑا دوسرا ہاتھ ٹھڈی پر رکھ کر اس کے منہ کو اوپر اٹھایا۔ ہیرا بائی پر وہی عالَم طاری تھا جو جنگل کی ہرنی پر اژدھے کے منہ پر پہنچ کر ہوتا

ہے آنکھیں کُھلی تھیں مگر کچھ دِکھائی نہ دیتا تھا۔ بے حِس و حرکت کھری تھی ۔ بندو نے اسے اپنی طرف کھینچااور قریب تھا کہ اپنا گندہ منہ اس کے رخسار پر رکھے کہ آواز آئی۔

''بندوخبر دار!''

بندو ایسا بدمست اور محو تھا کہ اسے مرزا بلگرامی کے آنے کی آہٹ بھی محسوس نہ ہوئی ۔ آواز سن کر چونکا اور ہیرا بائی کو چھوڑ کر مرزا کی طرف رخ کیا ۔ مرزا بلگرامی دو قدم کے فاصلے پر ایک ہاتھ میں پستول لئے اور منہ میں سگریٹ کی مہنال دبائے غصّہ اورغضب نا کی کا پُتلا بنا کھڑا تھا۔ بندو نے خطرے کو اس قدر قریب دیکھ کر مرزا کی طرف جست کی' مرزا نے داؤ بچایا اسی کے ساتھ مرزا کی مہنال سے زہر کی گولی نکلی اور بندو کی گردن پر لگی ۔ وہ آنِ واحد میں زمین پرمُردہ ہوکر ِگر پڑا۔

ہیرا بائی نے اس تائیدِ غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا مگر اس کی مثال اس گولر کی سی تھی جو درخت سے گر کر ببول میں اٹک جاتا ہے۔ پھر بھی یہ کیا کم تھا کہ بندو جیسے وحشی سے اس کی گُلو خلاصی ہوئی۔

مرزانے پستول کو نیچے کیا۔

''بائی صاحبہ ! مجھے افسوس ہے کہ اس ناپاک سندھی نے آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا۔ تمھاری قید کا زمانہ ختم ہوا آزادی اور خوشحالی کا وقت آگیا۔ آؤ میرے ساتھ باہر چلو ۔ صبح ہونے والی ہے دیر کی گنجائش نہیں موٹر تیار ہے چند گھنٹوں میں آگرہ پہنچ جائینگے۔ جہاں نکاح کا سب انتظام ہو چکا ہے ۔ قاضی اور گواہ کسی معمولی جگہ نہیں بلکہ تاج محل کے باغ میں موجود ملیں گے ۔ شاہ جہاں اور ممتاز محل کی پاک روحیں ہمارے گرد ہوں گی اور چند منٹ میں نکاح کی رسم اداہوگی۔

تم بلگرامی بیگم بن کر میرے ساتھ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر بھوپال چلو گی۔ وہاں تمھاری آمد کا انتظار ہے اور تمھارے والد کی سند کی تجدید تمھارے نام پر ہو جائے گی اور ہم لال کٹھور کی بے اندازہ دولت پر قابض ہو جائیں گے اور جس شاندار زندگی کا میں شروع رات میں ذکر کر چکا ہوں اس کا آغاز ہوگا۔تم سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ بے چوں و چرا

میری تجویز پر عمل کرو گی اور میری نیز اپنی آئندہ زندگی کو کامیاب اور خوشحال بناؤ گی۔ خیال کرو وہ دن کیسا شاندار ہو گا جب ہم اس تاریخی خزانے کو پا کر بحیثیت وفادار جاگیردار کے اپنی شکرگزاری کے اظہار کے لیے والیٔ بھوپال کی دعوت کریں گے ۔ بھوپال کا مشہور تال بجلی کے قمقموں سے بالکل اسی طرح چمکے گا جس طرح تاروں بھرا آسمان ۔ رنگ برنگ کی روشنیوں سے منوّر کشتیاں تالاب میں دوڑتی ہوئی مہمانوں کو لائیں گی' بینڈ بجے گا' آتش بازی چھوڑی جائے گی ۔ ملک کے بہترین مغنّی ''خوش آمدید'' کے راگ گائیں گے' زرق برق وردیاں پہنے ہاتھوں میں سونے اور چاندی کے عصا لیے ہوئی چوبدار ''سلام پر نگاہ'' کے نعرے بلند کریں گے شاہی خاندان کے اراکین' اعلیٰ عہدہ دار اور غالبًا ان کی بیگمات بھی کیونکہ اب وہاں پردے کی دقیانوسی رسم ترک ہوگئی ہے۔ دعوت میں شریک ہونگی۔ تمہارا قیمتی لباس اور ہیرے جوہرات کے زیور اور سب سے زیادہ تمہارا خوب صورت چہرہ برقی روشنی میں چمکتا ہو گا اور تم لال کٹھور کی مالکہ ہونے کی وجہ سے سب نظروں کی مرکز ہوگی۔''

مرزا بلگرامی نے اپنی ہر جوش تقریر ختم کی ۔ کوئی معمولی عورت ہوتی تو اس خوش آئندہ اور دلفریب نظارے کا خیال کر کے مسحور ہر جاتی ۔ مگر ہیرا بائی پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ بڑی تمکنت کے ساتھ بولی۔

''مرزا صاحب ! یہ سبز باغ تمہیں مبارک ۔ تم شوق سے لال کٹھور پر اگر واقعی کوئی خزانہ ہے قبضہ کرؤ اور جشن مناؤ۔ مگر میں ہرگز تم سے شادی نہ کروں گی غربت اورافلاس کو اس شان دار زندگی پر جس کا نقشہ ابھی تم نے کھینچا ہے ہمیشہ ترجیح دوں گی ۔ تم ظالم ہؤ قاتل ہو۔ ابھی ایک قتل میری نگاہ کے سامنے کیا۔ رات کو تمھارے حکم سے رستم جی قتل کیا گیا اور معلوم نہیں اس سے پہلے کتنے قتل اور جرائم کے مرتکب ہو چکے ہو۔ خدا تمہیں جلد تمھارے جرائم کی سزا دے گا اور مجھے تمھاری قید سے آزاد کرے گا۔''

بلگرامی کی جبڑا سخت ہوا ۔ آنکھیں غصّہ سے چمکنے لگیں ۔ پستول اونچا کیا ۔ آگے بڑھا اور نال کو ہیرا بائی کی پیشانی کے قریب لا کر گرجا۔

''آگے بڑھو! اپنا کوٹ پہنو اور باہر چلو۔''

کوٹ پہن کر ہیرا بائی آگے بڑھی۔ پیچھے مرزا کا ہاتھ پستول لئے چلا۔

''تم نے بھاگنے کی کوشش کی یا ایک لفظ منہ سے نکالا تو تمھارا خاتمہ ہے۔''

ہیرا بائی ایک قتل ابھی دیکھ چکی تھی ۔ سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ اس کے حکم کی تعمیل کی جائے مگر دل میں دعا مانگتی تھی اور بار بار مسعود کو یاد کرتی تھی کیا وہ اس کی مدد کو نہ پہنچے گا؟''

زینہ چڑھ کر مرزا نے چاروں طرف نظر ڈالی ہر طرف سنّاٹا اور خاموشی پائی ۔ ابھی رات باقی تھی اور کُہر کا گھٹا ٹوپ چھایا ہوا تھا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے۔ ہیرا بائی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان کی طرف نہیں بلکہ دوسری جانب احاطے کی دیوار کے قریب گیا یہاں درختوں میں چُھپی ہوئی ایک کھڑکی تھی ۔اس کے قریب پہنچ کر سیٹی بجائی ۔ باہر سے جواب میں سیٹی کی آواز آئی ۔ جیب سے کُنجی نکال کر کھڑکی کا قفّل کھولا اور ہیرا بائی کو ساتھ لئے باہر پہنچا ایک بڑی موٹر موجود تھی ۔ شوفر پَٹ کھولے حاضر تھا۔ مرزا نے ہیرا بائی کو سوار کیا اور خود اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''ابھی روشنی نہ کرو اور جس قدر تیز ہو سکے آگرہ کی سڑک پر چلو۔''

شوفر بھاری لمبا کوٹ اور سر پر اونی کنٹوپ پہنے تھا جس میں صرف آنکھیں اور چہرے کا ذرا سا حصّہ کُھلا تھا مگر وہ بھی رات کے اندھیرے اور کُہرے کے دُھند لکے میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔حکم کو ادب کے ساتھ سنا اور پَٹ بند کر کے اپنی سیٹ پر بیٹھا اور موٹر تیزی کے ساتھ لے گیا۔

☆☆☆

باب ۳۰

ہیرا بائی کا خواب

ہیرا بائی نے انگریزی ناولوں میں اس قسم کے افسانے پڑھے تھے اور اپنی ناتجربہ کاری سے سمجھا کرتی تھی کہ محض لوگوں کا دل بہلانے اور روپیہ کمانے کی غرض سے ذہین ناول نویس ایسے حیرت انگیز اور ہولناک مناظر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں ۔جن کا وجود سِوائے ان کے دماغ کے اور کہیں نہیں ہوتا۔ لیکن گزشتہ چند دنوں میں یہ واقعات تابڑ توڑ خود اسے پیش آئے تو آنکھیں کُھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جہاں بظاہر سکون اور راحت کے اس قدر سامان ہیں ۔ کیسے مظالم اور جرائم ہوتے ہیں، بعض لوگ جو مرزا بلگرامی کی طرح عوام میں مقدس اور پارسا سمجھے جاتے ہیں ۔ حد درجہ کے ظالم اور دغا باز ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کو اپنی مطلب برآری کے لیے قتل کرتے وقت اتنا بھی تامّل نہیں ہوتا ۔ جتنا مکّھی یا چیونٹی کو مارتے وقت کرتے ہیں۔

اپنی بے بسی پر دل بیٹھا جاتا تھا۔ نہ باپ نہ بھائی نہ کوئی اورعزیز جو اس کی تلاش میں نکلتا او راس کی مدد کرتا ۔صرف ایک پھوپھی تھی جو اس کے حالات سے بے خبر تھی اور اس کی جدائی پر ہزار آنسو بہاتی ہو گی ۔موجودہ زمانے کی آزاد خیالی کے بموجب شادی کو مرد کی غلامی اور عورت کی تحقیر کے مترادف سمجھا کرتی تھی لیکن اب اسے اپنی نادانی پر سخت افسوس تھا اور جس سے مسعود کو دیکھا تھا اس کے دل میں عجیب قسم کا ہیجان پایا جاتا تھا۔اور شادی کے متعلق اس کے خیالات میں تبدیلی ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے مسعود سے سوال کیا تھا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں، مگر اُس نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ مسعود کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ مسعود کو اس کی دلی کیفیت کی کچھ خبر نہیں تھی اور ایک غریب

لڑکی کے ساتھ شادی کرنا اسے کب پسند ہوگا۔ مسعود کے دل میں اسے دیکھ کر ویسے ہی خیالات موجزن ہوتے جو خود اس کے دل میں تھے۔ تو اب تک وہ مرزا کی قید سے آزاد ہوگئی ہوتی اور فوراً اس کے ساتھ شادی کر لیتی تا کہ اس عبرتناک دنیا میں وہ تنہا اور بے یارو مددگار نہ رہتی......

مرزا بلگرامی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر خطرے کا احساس کیااور رونے لگی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی ۔ دل میں مایوسی کا ہجوم تھا۔ موٹر تیزی سے جارہی تھی ۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے غنودگی آگئی اور حالتِ خواب میں اسے نے اپنے آپ کوتاج محل آگرہ کے باغ میں پایا۔ جہاں ایک لمبی داڑھی والا مولوی اسے مرزا بلگرامی کی قیدِ نکاح میں لانے کے لیے موجود تھا۔ جس امدادِ غیبی کا خدا کے انصاف اور رحم سے اسے یقین تھا ۔کہیں نظر نہ آئی اور اس نے اس نے آزادی کے لیے آخری کوشش کی ۔اس ہرنی کی طرح جو شکاری سے بچنے کے لیے چوکڑیاں بَھرتی ہے ۔وہ تیزی کے ساتھ بھاگی اور تاج محل کے اونچے مینار پر چڑھ گئی ۔ مرزا اس کے پیچھے تھا۔ مینار کی چوٹی پر چڑھ کر اس نے ایک لحظہ قیام کیا اور صبح کے دلفریب منظر پر جو تاج محل کے میناروں سے دکھائی دیتا ہے حسرت کی نظر ڈالی ۔ مرزا بلگرامی کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر آنکھیں بند کیں اور مینار سے کُود پری تا کہ مرزا بلگرامی کا ناپاک ہاتھ اسے نہ چُھو سکے اور نیچے پتھروں پر گر کر مرجائے اور اس المناک زندگی کا خاتمہ ہومگر بجائے پتھر پر گرنے اور پاش پاش ہو جانے کے اس نے اپنے آپ کوکسی مرد کے مضبوط ہاتھوں پر پایا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو مسعود تھا۔

..................☆☆☆..................

باب۳۱

انجام

عین اسی وقت موٹر رکی اور اس ہیبت ناک خواب سے بیدار ہوئی شوفر نے موٹر کا دروازہ کھولا۔ مرزا جو ہیرا بائی کے ساتھ شادی اور لال کٹھور کی دولت پر قبضہ کرنے اور شاید بھوپال کے جشن کا خواب دیکھ رہا تھا۔ چونکا اور کڑک کے بولا۔

''بغیر حکم موٹر کیوں روکی؟ کیا کچھ بگڑ گیا ہے؟''

''بگڑا کچھ نہیں۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ کیا آپ آخری مرتبہ نماز نہ پڑھیں گے؟''

لباس مرزا کے شوفر کا تھا مگر آواز دوسری تھی ۔ مسعود کی آواز کو فوراً ہیرا بائی نے پہچان لیا مرزا کے ہاتھ میں پستول تھا۔ فائر کے لیے ہاتھ اُٹھایا لبلبی دبی مگر اسی کے ساتھ ہیرا بائی نے زور سے اس کے ہاتھ کو اوپر کی طرف جھٹکا دیا۔ گولی بجائے شوفر کے سینے کے موٹر کی چھت میں لگی ۔ دوسرے لمحہ میں مسعود کا ہاتھ مرزا کے گردن پر تھا اور پستول ہیرا بائی کے ہاتھ میں ۔ مرزا بلگرامی بے بس تھا۔ شوفر کی انگلیاں فولاد کی کیلوں کی طرح اس کی گردن میں گھسی جاتی تھیں۔ ہاتھ پاؤں اپنا کام کرنے سے عاجز تھے ۔ بولنا چاہتا تھا مگر مجبور تھا۔ ہیرا بائی نے خیال کیا کہ کوئی دم میں مرزا کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے مگر مسعود نے مرزا کو موٹر کے نیچے اس طرح پھینک دیا جس طرح بلی نیم مردہ چوہے کو! جیب سے سُتلی کا گولا نکال کر مرزا کے ہاتھ پشت پر باندھے اور کہا۔

مرزا صاحب ! مجھے آپ کے معاملات میں دخل دینے کا افسوس ہے مگر اس کے ذمّہ دار خود آپ ہیں ۔ ہمارے سردار بہرام نے آپ کو متنبہ کر دیا تھا کہ ہیرا بائی سے تعرض نہ کرو۔ مگر لال کٹھور پر قبضہ کرنے اور دولت مند بننے کا جنون تم پر سوار تھا۔ تم موجودہ زمانے کے حُسن

بن سباح ہونا چاہتے تھے ۔ ہندو مسلمانوں کو تم نے آپس میں لڑایا۔ پیری مریدی کے گورکھ دھندوں سے ہزار ہا آدمیوں کو گمراہ کیا۔ مدّتوں پولیس کی آنکھ میں خاک جھونکی ۔قتل پر قتل کیئے اور خلقت کو لُوٹا ۔ ایسی حالت میں تم بہرام کو قوت اور برتری کو کب خیال میں لا سکتے تھے۔ اب تمہارا آخری وقت آ گیا دنیا تمھارے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی۔ بتاؤ کیسی موت تمھیں پسند ہے؟ یہ بالکل آسان ہے کہ تمھیں سڑک پر ڈال کر اوپر سے موٹر گزار دی جائے لوگ خیال کریں کہ کوئی حادثہ پیش آیا لیکن تم جیسے آدمی کا جو اپنے زعم میں حَسن بن سباح کو طِفل دبستاں سمجھتا ہے ایسی عام موت پرنا کیا پسند ہوگا۔ سامنے دریا کا پُل ہے۔ٹھنڈی موت پسند ہو تو تمھیں پُل سے نیچے پھینک دیا جائے ۔گھڑیال منہ کھولے تمہارا خیر مقدم کریں گے اور تمھاری بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں گے مگر یہ موت بھی عامیانہ ہے ۔تم خلقت کو یہ یقین کرانا کب گوارا کر سکتے ہو کہ ایسے مقدس اور مذہبی آدمی نے خودکشی کر کے اپنی عاقبت خراب کی۔‘‘

مرزا مسعود کو غصّہ اور حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اس نوجوان آدمی کے ہاتھ میں خودکو بےبس پا کر حکمتِ عملی کو مناسب خیال کیا اور کہا۔

’’میاں مسعود تم بڑے دھوکے میں ہو ۔ یہ سچ ہے کہ میں تمھارے سردار بہرام کو اس زمانہ کا سب سے بڑا قزاق اور مجرم سمجھتا ہوں۔ جب سے تم اس کے رفیق بنے ۔ مجھے تعجب تھا کہ تم جیسا شریف خاندانی اور ہونہار نوجوان ایسے آدمی کی صحبت میں رہے ۔ مجھے تم سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا کہ تمھیں آگاہ کرتا ' بہرام تمھیں اپنی شطرنج کی بساط پر ایک پیادہ کی حیثیت سے زیارہ نہیں سمجھتا ۔خود پسِ پُشت رہتا ہے اور تمھیں خطرہ میں ڈالتا ہے ۔ وہ خود ہیرا بائی پر قبضہ کر کے لال کٹھور کا مالک بننا چاہتا ہے ۔ میری موجودگی میں اسے کامیابی مشکل نظر آتی تھی ۔تم نے مجھے مار ڈالا تو اس کے لیے میدان صاف ہے تم بھی جلد مارے جاؤ گے اور بہرام لال کٹھور کا مالک بن جائے گا۔ سنو اور غور سے سنو ۔ اب بھی وقت ہے بہرام کا مقابلہ اس ملک میں سوائے میرے کوئی نہیں کر سکتا ۔تم میرے شریک ہو جاؤ ' خیال کرو میرا تجربہ اور تمھاری بہادری اور ہمت مل کر کتنی بڑی قوت ہو سکتی ہے اور جس وقت لال کٹھور کی دولت ہمارے قبضہ میں ہو گی ۔ ہم ہندوستان کی آئندہ تاریخ کا ورق اپنی مرضی کے مطابق لکھ سکیں

گے ۔ میرا بڑھاپا ہے اورتم کچھ دن بعد میرے جانشین بنو گے ۔حسن بن سباح کے جانشینوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں کیا۔ ممالک فتح کیئے' سلاطین کے تخت الٹے ۔ عباسیہ خاندان کو تہہ و خاک کیا اور آج بھی اس کے پیرو کار نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں پائے جاتے ہیں ۔آج کل اسلامی دنیا میں بڑا خلفشار ہے۔ خلافت کا خاتمہ ہوا 'اور مسلمان آنے والے مہدی اور رہبر کا انتظار کر رہے ہیں ۔ کیا تم اس بڑے کام میں میرے ساتھ شرکت نہ کرو گے ۔ سب انتظام مکمّل ہے ۔ لال کٹھور پر قبضہ کرنے کی دیر ہے ۔ میرے ساتھ آگرہ چلو ۔ جہاں ہوائی جہاز تیار ملے گا شام تک بھوپال پہنچ جائیں گے اور لال کٹھور کی سند سرکار بھوپال سے ہمیں کل مِل جائے گی ۔''

ہیرا بائی موٹر سے اتر کر مسعود کے پاس کھڑی ہو گئی تھی ۔صبح کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی افق مشرق سے سورج نکلنے والا تھا۔ ہلکی سنہری روشنی میں مسعود کا خوبصورت چہرہ اس کے دل میں عجیب قسم کی امنگیں پیدا کر رہا تھا۔ وہ اسے بہادری کا پُتلا اور ہمت کا فرشتہ خیال کر رہی تھی ۔جس نے اسے مرزا کی قید سے آزاد کیا۔ اس وقت وہ گزشتہ ہفتے کی سب کلفتیں بھول گئی تھی اور بیتاب تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے تنہائی کا موقع ملے تا کہ وہ اپنی دلی کیفیت کا اظہار مسعود پر کر دے ۔ مرزا کی تقریر کو اس نے غور سے سنا اور ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہ آیا کہ مسعود اسے سچ سمجھے گا اور اس کے دام تذدیر میں آجائے گا آگے بڑھی اور مسعود کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ان حضرت سے یہ تو پوچھئے کہ آگرہ میں قاضی اور گواہ کا انتظام کیوں کیا گیا ہے۔''

اس کا سننا تھا کہ مسعود کو غصّہ آیا۔ مرزا کو زمین سے اُٹھایا ۔ پاس کے درخت سے باندھا اور اپنی جیب سے پستول نکال کر کہا۔

''بائی صاحبہ! اس مکّار اور ظالم آدمی نے آپ کو بہت اذیت دی یہ نہیں معلوم کو وہ آپ کو قیدِ نکاح میں لا کر آپ کی زندگی خراب کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سزا یہی ہے کہ آپ خود اس پستول سے اس کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کر دیں۔''

ہیرا بائی نے ہاتھ میں پستول لیا اور مرزا کے سینہ پر نشانہ لیا۔

”مرزا صاحب ! مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے وہ لڑکی جسے آپ بلگرامی بیگم بنا کر بھوپال لے جانا اورلال کٹھور پر قبضہ کر کے جشن منانا چاہتے تھے۔ آج آپ کو دنیا کے علائق سے آزادکرتی ہےاورآپ کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔“

مسعود موٹر کے پاس گیااور بونٹ اُٹھا کر انجن کے پُرزوں اور تیل وغیرہ کو دیکھنے لگا کہ اس لمبے سفر کے لیے سب چیز ٹھیک ہے یانہیں۔

مرزا بلگرامی نے محسوس کیا کہ اب آخری وقت آ گیاہے اور مسعود کو وہاں سے علیحدہ پا کر اپنی عیّاری کے ترکش سے آخری تیر نکالا اور اس امید پر کہ یہ ناتجربے کار اور نرم دل لڑکی اس کے فریب میں آجائے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”ہیرا بائی تم بڑی غلطی پر ہو۔ اب تک میں نے تمھیں بہرام اور اس کے دوستوں کی دسترس سے محفوظ رکھا ۔ مجھے تعجب ہے کہ بجائے شکر گزار ہونے کے تم مجھے گولی مار کر ایک بڑے گناہ کی مرتکب ہوتی ہو۔ تم ناتجربے کار ہو اور ان قزاقوں کی جو اپنے آپ کو خدائی فوجدار کہتے ہیں اور جن کا سردار ملک کا مشہور جرائم پیشہ بہرام ہے ماہیت سے ناواقف ہو وہ تمھارے ذریعہ سے لال کٹھور پر قبضہ کر کے اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے اور تمھیں یا تو مار ڈالیں گے یا ہمیشہ کے لیے باندی اور لونڈیوں کی طرح اپنی خدمت میں رکھیں گے ۔تم میرا ہاتھ نہ جھٹکتیں تو مسعودختم ہو گیا ہوتا ۔ اب بھی موقع ہے تمھیں اپنی جان اور ناموس عزیز ہے تو پستول کا رخ مسعود کی طرف کرو اور لبلبی دبا دو اس کا خاتمہ ہو جائے گا اور میں تم سے کچھ تعرض نہ کروں گا اور تم لال کٹھور پر قبضہ کر کے ملک کی بڑی دولت مند عورت بن جاؤ گی مسعود اس طرف آ تا ہے۔جلدی کرو ایسا موقع پھر کبھی نہ ملے گا......“

مسعود ہیرا بائی کے پاس آ کر کھڑا ہوگیا۔ ہیرا بائی نے اس کے خوب صورت چہرہ کو دیکھا اور دل میں جوش پیدا ہوا اپنا بایاں ہاتھ اُٹھا کر مسعود کے شانہ پر رکھا اور کہا۔

”اے مکّار مرد! تو موت کے وقت بھی اپنی عیّاری سے باز نہیں آتا اور مجھے صلاح دیتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے اس شخص کو ہلاک کر دوں جس نے مجھے تیرے پنجے سے آزاد کیا اور جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے ۔ اگر اس نے اجازت دی تو میں عمر بھر اس کی لونڈی

ہونے کو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔“

سورج جاڑے کی صبح کا سرخ لحاف ہٹا کر برآمد ہوا اور اس کی شعاعیں ان کے خوب صورت چہروں پر پڑیں ۔ ایک نے دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھا ۔ ہیرا بائی کا ہاتھ کھسک کر مسعود کی کمر پر آیا۔ مسعود کے جسم میں کوئی چیز بجلی کی طرح کوندی اور اس کے ہاتھ نے ہیرا بائی کے گرد حلقہ کر لیا کچھ دیر خاموشی رہی ۔ بلگرامی نے اس عجیب نظارے کو مایوسی کی نظر سے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مسعود نے اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کی اور کہا۔

”پیاری ہیرا ! اس وقت جبکہ خدا نے ہمیں ایسا خوش حال کیا ہے ۔ مناسب نہیں ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اس ناپاک آدمی کے خون سے آلودہ کریں اور خلقت کو اس کی موت کے متعلق شک میں چھوڑیں۔ کوئی دم میں پولیس اس کی تلاش میں یہاں آئے گی اور درخت سے بندھا ہوا پائے گی۔ عدالت میں مقدمہ ہو گا۔ اس کی مکّاری اور مظالم کی داستان طشت ازبام ہو گی اور یہ اس کا مستحق ہے کہ تمھارے نازک اور پاک ہاتھوں سے نہ مارا جائے ۔ بلکہ جلّاد پھانسی کا حلقہ اس کی گردن میں ڈالے اور اس مکّار اور اشتہاری صوفی کی ناپاک زندگی کا خاتمہ کردے۔ آؤ بھوپال چلیں۔

”مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے“ کہہ کر ہیرا بائی نے پستول مسعود کے حوالے کیا ۔ دو تین قدم موٹر کی طرف چل کر رُکی ۔ مرزا کی طرف رُخ کیا اور شوخی سے کہا۔

”مرزا صاحب خدا حافظ ! جب ہم بھوپال پہنچ کر جشن منائیں گے اور فرنروائے ریاست کی دعوت کریں گے تو آپ وہاں نہ ہوں گے۔ افسوس......!!!!“

ختم شد